

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صدائے مُرشد

ارشادات

شاہ شاہاں، خواجہ خواجگان، عاشق رسول، قطب العالم،
فقیر بے بدل، فقیر بے مثل، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ نور اللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل ^{رحمۃ اللہ علیہ} سرکار

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ: ۶۸-۶۷ اور سینر ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸-کراچی



ذخیرہ جبرودہ میاں گھیل احمد شرقپوری، نقشبندی مجددی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لاہور میں کو عطا فرمایا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۰

مکتبہ اسلامیہ حیدرآباد
رقم نمبر ۵۷۲۸

۵۷۲۸ صدائے مُرشد

ارشادات

شاہ شاہاں خواجہ خواجگان عاشق رسول قطب العالم
فقیر بے بدل فقیر بے مثل فقیر محمدی فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ نور اللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ: ۶۸-۶۷ اور سینر ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸-کراچی

80988

نام کتاب _____ صدائے مُرشد
ترتیب و پیشکش _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی
ناشر _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تعداد	تاریخ اشاعت
-------	-------------

۱۰۰

شوال المکرم ۱۴۲۴ھ دسمبر ۲۰۰۳ء

~~80988~~

e.mail: arfeen@cyber.net.pk



فہرست

- 1 - مناجات 4
- 2 - اطہارِ شکر 6
- 3 - گزارش 7
- 4 - تصوف کی باتیں 8
- 5 - مراقبہ 32
- 6 - صحیح عقیدہ 50
- 7 - درس 56
- 8 - ذکر - اسراف وغیرہ 75
- 9 - مسلمان حکمران اور اسلام 119
- 10 - بسم اللہ کی فضیلت اور رُوح
شیخ سعدیؒ کی رباعی اور امیر خسروؒ کی غزل 131
- 11 - غیر مقلد 155
- 12 - حج اور حاجی 165

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پکارا، تو نے ہماری پکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلہ جلیلہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنان و منان و دیان ہے، ذوالجلال والا کرام ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قَدِيرٌ اور کُنْ فَيَكُونُ کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے ”صدائے مُرشد“ کے عنوان سے مختلف موضوعات پر اپنے مُرشد شاہ شاہاں خواجہ خواجگان قطب العالم فقیر بے بدل فقیر بے مثال فقیر محمدی فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محمد افضل قادری چشتی (صہبری نظامی) قلندری المعروف ”افضل سرکار“ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک ﷺ کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔
 اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مرادیں پوری فرما۔ اُن کو
 دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 اور پختن پاک کی محبت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے
 وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کر لے بلکہ اس میں ایسا
 ذوق و شوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالم حق کے سامنے زانوئے ادب
 تہہ کر کے کلام پاک کے معافی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد
 اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیت سے کہ
 تو اور تیرے حبیب پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس سے راضی
 ہو جائیں۔

دُعا گو اور دُعا جو
 رابعہ ثانی



اظہارِ تشکر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنہوں نے دلمے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلا سے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر و فکر اور نماز سے غفلت، سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعا جو
والبعثتانی

گزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی نظر آئے تو اسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔
آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعا جو
رابعہ ثانی

تصحیح

صفحہ نمبر

”إِنَّ الْمُسْتَأَقَّ لِقَاءَ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ — 33

”أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ — 77

”اللَّهُ مُعْطِيٌ وَأَنَا قَاسِمٌ“ — 160

تصوف کی باتیں

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار“

نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَمَا بَعْدُ:

عزیزانِ من!

ایک دن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ایک نوجوان پر پڑی۔ وہ جوانی میں مدہ ہوش تھا۔ ابھی کاکل بھی نہیں نکلی تھیں، داڑھی تو کجا۔ بس تیر لگا، شکار، سو کے ڈھیر ہو گیا۔ آپ کی صحبت میں آنے لگا۔ قضا عند اللہ اُس کے والد، جو بڑے رئیس تھے، ان کا انتقال ہو گیا۔ اسی ہزار درہم اُس لڑکے کو ترکے میں ملے۔ اس کے بعد وہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مریدی کے لئے درخواست

کی۔ آپ نے نگاہ کی، باطن کو دیکھا کہ غیر اللہ کے سوا کوئی اور چیز تو نہیں ہے۔

دیکھنا یہ تھا کہ شبلی کی محبت ہے یا غیر اللہ کی۔ کیا سب چیزوں سے فارغ ہوا ہے کہ نہیں۔ دیکھا نہ من ہے، نہ تو ہے، نہ قصہ ہے نہ گفتگو ہے، نہ جستجو ہے، نہ طلب ہے، نہ طالب ہے، نہ مطلوب ہے، نہ ذکر ہے نہ ذاکر ہے، نہ مذکور ہے، نہ شکر ہے، نہ ثنا کر ہے، نہ مشکور ہے۔ اندر لق و دق بیابان ہے۔ گرم ہوا میں چل رہی ہیں تپش کی، جو حضرت شبلیؒ کے عشق میں تڑپا رہی ہیں۔ دراصل وہ عشق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ وہ عشق الہی تھا، چونکہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فنا فی اللہ، بقا باللہ تھے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد آپ نے اسے مرید کیا۔ دوسرے لوگ وقتاً فوقتاً مریدی کے لئے سوال کرتے، کاغذات پیش کرتے، تو آپ دعا فرما دیتے یا وعدہ فرماتے۔

انہی دنوں ایک بہت بڑے بزرگ نے آپ کو لکھا کہ میں آپ کے پاس ملنے کے لئے آ رہا ہوں۔ وہ آپ کے دوستوں میں سے تھے۔ جب وہ آئے، تو آپ بڑے تپاک سے ملے اور پاس بٹھا لیا۔ اور مریدین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑے غور سے اس لڑکے کی طرف دیکھا۔ بس دیکھنا کیا تھا، آنکھ جھڑ گئی اور ساکت ہو گئے اس لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ شاید کوئی غطا ہو گئی یا کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہے۔ آپ کے دوست نے آخر آپ سے کہا کہ اگر صدق ہو،

اخلاص ہو، اور مریدی کی نشان دیکھنی ہو، تو کوئی آپ کے اُس مُرید کو دیکھے۔ کیا آپ مجھے یہ تحفے میں دے سکتے ہیں۔ آپ نے کہا، یہ مشکل ہے۔ یہ لڑکا برسوں سے میری خدمت میں ہے۔ آج تک اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کے پاس اسی ہزار روپے تھے وہ اس نے مجھ پہ بچھا کر دیئے۔“

ایک دن ایسا ہوا کہ تین دن سے فاقہ تھا اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے۔ آپ نے پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے۔ تو کہنے لگا، کاش آج میں امیر ہوتا۔ میرے پاس کچھ پیسے ہوتے، میں بازار سے جا کر کچھ رسد لاتا اور آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ پھر آپ نے کاغذ پہ کچھ لکھا اور کہا یہ دو تین چیزیں ادھار لے آؤ بازار سے۔ وہ لے آیا۔ پھر آپ نے کہا ان کو پیسہ جب پس چکا تو پھر آپ نے تھوڑا سا تیل منگوایا۔ اس میں وہ پاؤڈر ڈال دیا۔ حل کرنے کے بعد آپ نے اس کے گول گول دانے بنوائے۔ پھر سوئی سے ان میں سوراخ کئے اور کہا دھوپ میں رکھ دو جب دھوپ میں رکھ دیئے اور وہ سوکھ گئے، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب لائے تو آپ نے ایک لے کر اُس کو دیا اور کہا بازار میں اس کی قیمت پوچھ آنا، لیکن بیچنا نہیں۔

وہ بازار گیا اور جوہری سے کہا کہ یہ موتی بیچنا ہے جب جوہری نے دیکھا، تو کہا دس ہزار روپے ابھی دیتا ہوں، یہ لو پیسے۔ اس نے کہا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مجھے دکھانے اور قیمت پوچھنے کے لئے بھیجا گیا

ہے۔ جو ہری نے کہا میں اور بھی زیادہ دے سکتا ہوں، پوچھا آنا۔ جب واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا، حضور، اس کے دس ہزار درہم وہ دے رہا تھا، لیکن مزید تقاضہ کیا جائے تو وہ دینے کے لئے تیار ہے۔ آپ نے کہا، ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ۔ پھر کہاے آؤ جتنے موتی ہیں۔ وہ لے آیا۔ کہنے لگے ایک پتھر لے آؤ۔ وہ ایک پتھر لایا۔ آپ نے سب کو کوٹ کر چورا کر دیا اور فرمایا: بیٹے، فقیر کے پاس یہ قدرت ہوتے ہوئے بھی اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ فاقہ اور بھوک بہتر ہے اگر چاہتے ہو کہ وصل الہی ہو۔ اگر درجے چاہتے ہو۔ پیری مریدی، سجادہ نشینی، یہ وہ، اس کے لئے ٹھیک ہے یہ۔

حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ نے موم اور سوئی اپنے پیرو مرشد یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجے۔ اور کہا کہ اس موم کی طرح پگلیں اور دنیا کو روشنی پہنچائیں، اور اس سوئی کی طرح خود ننگے رہیں اور دنیا کی خدمت کریں، تو تب آپ قرب الہی پاسکتے ہیں۔ عزیزان من! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور بیٹھ گیا۔ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان جو تھا، وہ درحقیقت خدا بولتا تھا۔ مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا، الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ایک حکایت بیان کی۔ فرمایا ایک شخص کے تین دوست تھے۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے پہلے دوست کو کہا اے

دوست، یہ میرا آخری وقت ہے، تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا، اے دوست، تم جانتے ہی ہو کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہا، ہر چیز تم پر نچھاور کی۔ مگر صد افسوس، اب میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا، کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ اُس نے اپنے دوسرے دوست سے کہا اے دوست، میرا وقتِ آخر ہے۔ تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو؟ اُس نے کہا کہ تمہیں اچھی طرح غسل دیں گے، نہلا دیں گے، کفن و دفن اچھی طرح کریں گے۔ اوپر مزار بنا کر پھولوں کی چادر وغیرہ سب چڑھائیں گے۔ اس سے آگے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر اُس نے تیسرے دوست سے کہا کہ تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا، اے دوست، میں تمہارے ساتھ ساتھ ہی رہوں گا۔ تم قبر میں اُترو گے، میں ساتھ ہی اُتروں گا۔ حشر کے دن جب تو اُٹھے گا، میں تیرے ساتھ قبر سے اٹھوں گا۔ پھر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے سوال کیا، کیا تم بتا سکتے ہو وہ دوست کون تھے۔ اس نے کہا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ پہلا جو دوست تھا، وہ اس کے مال، دولت، زر، کوٹھی وغیرہ تھے (جب تک زندہ تھا، اُس کے کام آتے رہے) دوسرا دوست اس کے اہل و عیال (بیوی بچے وغیرہ) تھے۔ وہ اس کو ٹھیک طرح سے دفن دیں گے۔ تیسرا دوست جو تھا، وہ اس کے اعمال تھے (جنہوں نے کہا، ہم تیرے ساتھ رہیں گے۔)

تو عزیزانِ من! انسان کو اپنی ترقیجات درست کر لینی چاہئیں۔ یعنی ایک شخص ہے۔ وہ طریقت میں قدم رکھتا ہے، تو اس کو جان جانا

چاہیے کہ وہ طرفیت میں کون سا مقام چاہتا ہے۔ کیا وہ اس لئے آیا ہے کہ راہ سلوک طے کرے، فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہو جائے۔ اگر وہ اس کے لئے آیا ہے، تو اس کے لئے یہ بڑا ضروری ہے کہ جب وہ اپنے لئے شیخ ڈھونڈے تو وہ مردِ کامل ہو۔ جس میں اتنی قوت ہونی چاہیے کہ وہ آن واحد میں اُسے بغل میں لے کے عرش کی سیر کرادے، پرواز کر کے۔ وہ پھر اُسے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر پہنچا دے گا۔ مگر جو خود آرام سے سوتا ہے، مرغن کھانے کھاتا ہے، موٹروں میں گھومتا ہے، وہ کہاں لے جاسکتا ہے۔

دوسری تریخ یہ ہے کہ آپ کہیں کہ جی میں خدا کا اور مذہب کا مفاد پرستانہ استعمال چاہتا ہوں۔ مادی اور دینی۔ یعنی نماز بھی پڑھتا ہوں، بچے بھی بڑے عہدوں پر لگ جائیں، مال و دولت بھی خوب آئے۔ تو اس کے لئے بھی ہے گنجائش۔ وہ سبق دے دیتے جاتے ہیں۔ جو بیس گھنٹے میں آدھ گھنٹہ نکال کے وہ پڑھتا ہے۔ اللہ برکتیں دیتا ہے۔ کبھی نور کی پھوٹا آگئی، کبھی کوئی اچھے خواب آگئے۔ تیسرا جو ہے، وہ کھورا بیک میبلر ہے، دنیا دار۔ وہ آتے ہی بڑی لمبی لمبی باتیں کرے گا۔ لیکن دل میں یہی کہے گا کہ یہ شیر مجھے مل گیا۔ اس سے میں جنگل کے سارے گیدڑوں کو مروا دوں گا۔ یعنی وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے اپنے پیر کو استعمال کرے گا۔ اُمید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہیں۔

تو پیر کو چاہیے کہ وہ اس سے شاپنگ لسٹ لے۔ کیوں کہ وہ

یہ بھی دیکھے کہ وہ اتنے کام کر بھی سکے گا یا نہیں۔ اور پھر دنیا دار کے ۹۹ کام بنائے اور ایک کام اگر اس کا بگڑ جائے، تو وہ آپ کے سب کئے دھرے پر پیکر کھینچ دے گا۔ اور پھر وہ دوسرے پیر کی تلاش کرتا ہے۔ تو جس پیر کی اسے تلاش ہے، کیا اس کی کمی ہے؟ ایسے پیر محلے محلے بیٹھے ہوئے ہیں بورڈ لگائے ہوئے۔ اب تو اخباروں میں اشتہار آنے لگے ہیں کہ میرا عمل کیا ہوا اگر کوئی اس کو نوٹ دے تو اس کو دس ہزار روپے دوں گا۔ اب یہ شرط اگر کوئی اخبار میں پڑھ لے، وہ اگر مصیبت کا مارا ہوا ہوگا، تو قرض لے کے اس کے پاس جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں تو دشمن کو قتل کرنا چاہتا ہوں، چونکہ دین کا علم تو ہے نہیں۔

عزیزان من! حضرت ابو صفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب کھانا کھا رہے تھے، تو ایک کتا بھی آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ وہاں ایک درویش بھی موجود تھے۔ اس درویش نے کہا کہ آپ کی اتنی قدر و قیمت ہے اور طریقت میں یہ مقام ہے۔ آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے، لیکن آپ کتے کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ آپ نے کہا یہ کتا اچھا ہے۔ بچے اور بیوی میری عبادت میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اور یہ جب میں عبادت کرتا ہوں تو میری حفاظت کرتا ہے میں آرام سے عبادت کرتا ہوں۔ لہذا اس کی صحبت مجھے راس آئی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ پر بڑے وجد کی کیفیت طاری تھی۔ تجلیات اتنی

تھیں کہ ایک کتے نے دیکھا تو وہ مست ہو گیا اور آپ کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ آپ نے اپنے پاجامے کے پانچے اوپر سرکا دیئے۔ تو اس کتے نے کہا: اے بایزید، وہ نور جو تجھ میں بھرا ہوا تھا، میں تو اس پر مر مٹا تھا۔ لیکن میں سوال کرتا ہوں کہ یہ تو نے جو اپنے پاجامے کو اوپر اٹھا کر تکبر کیا، میری پلیدی تو تین پانی سے دور ہو جائے گی، تیرا تکبر تو سات سمندر کے پانی سے بھی صاف نہیں ہو گا۔ یہ سن کر آپ پر پھر حالت طاری ہو گئی۔ مریدین بھی ساتھ تھے۔ آپ نے اس جذب کے عالم میں فرمایا: تمام تعریفیں اُس ذات باری کے لئے ہیں جو بہترین مخلوق کو بدترین مخلوق سے قتل کرواتا ہے۔ پھر آپ نے کتے سے کہا: آ، ہم دونوں کچھ دیر اکٹھے بیٹھیں۔ کتے نے کہا: تم میری صحبت کے لائق نہیں۔ آپ نے فرمایا، میں؟ تمہاری صحبت کے قابل نہیں؟ کیوں؟ کہا: تمہارے گھر میں تین دن کھانے کی رسد موجود ہے۔ مجھے جو آج ملا، اس کی ہڈیاں بوٹیاں کھا کے پھینک دیں، کل میں اُس کے توکل پر ہوں۔ ابھی تو تم نے توکل کی منزل طے کرنی ہے۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام یہ تھا کہ آپ نے زندگی بھر سنت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ ایک دفعہ خبر بوز آیا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اسے کھاتے تھے۔ ایک شخص تین برس آپ کی صحبت میں بیٹھا رہا۔ ایک دن اُس نے کہا، اے شیخ، میں اجازت چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا، کیوں؟ کہا، میں

کچھ حاصل کرنے آیا تھا، لیکن میں نے تین برس میں آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا، کیا تو نے مجھے کوئی غیر سنت کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا، نہیں دیکھا ہے۔ تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا اور کہا، جا، بایزید کی یہی کرامت ہے۔ اس نے فوراً کہا، ہاں، دیکھ لوں گا خلاف سنت۔ آپ نے پوچھا کیا؟ کہا یہ جو جھٹکا دیا آپ نے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا ہے۔ اس طرح وہ شخص آپ کو ایک نعمت عطا کر کے فقیر کا۔

حکمت، تدبیر، ادب، پہلی چیز ادب ہے۔ دوسری چیز اخلاق۔ یہ ہوں تو بات بنتی ہے۔ آپ کے زمانے میں ایک درویش تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حالت ان کے قابو میں نہیں رہی، اور ان کے بس کی بات نہیں، تو انہوں نے اپنے خلیفہ کو کہا کہ بیٹا، اب تم بایزید بسطامی کی صحبت اٹھاؤ تو فیض پاؤ گے۔ خلیفہ مستی میں تھا۔ اس نے کہا، جو بایزید کا خدا ہے، وہ میں دن میں کئی بار دیکھتا ہوں۔ مجھے بایزید کی صحبت کی کیا ضرورت ہے۔ وہ درویش خاموش ہو گئے کہ کوئی اور بے ادبی نہ کر بیٹھے۔

ایک دن حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ جنگل سے آ رہے تھے اور یہ خلیفہ جا رہا تھا۔ کبھی کبھی رب کریم بھی مزے لیتے ہیں۔ انہوں نے دل میں ڈال دیا کہ بایزید، میرا یہ جو دوست آ رہا ہے، تمہارے متعلق یہ خیال رکھتا ہے۔ اب حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کی یہ شان تھی کہ وہ جذب میں آ کر کہتے تھے: سبحان ما اعظم شانی....

توجیب وہ پاس آئے، تو آپ نے ایک ہلکی سی سانس اس کی طرف ماری۔ اس نے پلٹا دکھایا اور جان دیدی۔ اس کے مرشد کشف کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا حضرت، یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا، اس کی منزل اٹکی ہوئی تھی، اس میں خود نمائی شروع ہو گئی تھی، میں نے ٹھیک کر دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے بائزید کے خدا کو دن میں کئی مرتبہ دیکھا ہے، مگر اس کے خدا کو بائزید کے ہاں سے آج پہلی بار دیکھا ہے۔ اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

تو عزیزانِ من! دو چیزیں ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ میں اگر سو میں سے دس نمبر لئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے، لیکن حقوق العباد میں سو میں سے سو لینے ہیں، کیوں کہ وہ جب بندہ معاف کرے گا، تب اللہ تعالیٰ معاف کرے گا۔ ہاں، اس کے طریقے ہیں۔ نیکیاں دینی پڑتی ہیں۔ سو دے بازی ہوتی ہے۔ مجھ سے ایک انگریز نے ایک دفعہ سوال کیا کہ میں نے مطالعہ کیا ہے، آپ کے ہاں ایک فنٹاسٹک یعنی انوکھی چیز ہے۔ میں نے کہا میں بھی تو سنوں تا کہ کہہ سکوں کہ وہ انوکھی ہے کہ نہیں۔ کہنے لگا کہ ایک کے بدلے میں کئی کئی نیکیاں۔ آدمی عبادت کرتا ہے اسی برس، کوئی کیا کرے گا یہ اتنا سارا۔ وہ اس کا کیا کرے گا۔ میں نے کہا اس کو آٹسولیبٹ یعنی جدا کر کے مت لو۔ اگر جبر سے سمجھنے کی کوشش کرو گے، تو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اسے کل سے سمجھو۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ میں

نے کہا کہ اگر میں الگ الگ آپ کی ٹانگ اور آپ کے ہاتھ سے بات شروع کروں، تو ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچیں گے۔ لیکن اگر میں آپ کے بارے میں بحیثیت گل بات کرنا شروع کروں تو ہم کسی نہ کسی طرح کے نتیجہ پر پہنچیں گے۔ میں نے کہا کہ پہلی چیز یہ ہے کہ ہمیں انسان کی فطرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ دوسری چیز اللہ کی سخاوت کا۔ تیسری چیز، اس کے خزانے اتنے لامحدود ہیں کہ ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ کوشش کریں بھی تو نہیں ہو سکتا۔ چوتھی، وہ ایسے سخی ہیں کہ بہانے ڈھونڈ کر دس مانگیں تو سودیتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے۔ میں نے کہا یہ دنیا اس نے بنا دی، یہ سب کچھ آخرت کی کھیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے۔ الدنیا من رعتہ الآخرۃ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جب جاتے ہیں تو وہاں جا کر خسارے کا پتہ چلتا ہے۔ اور میں نے اس سے کہا کہ یہاں نہیں دیکھا ہے کہ ایک آدمی جب ضدی ہوتا ہے، وہ کہتا ہے جی ٹھیک ہے میری کوٹھی ہے، دس لاکھ کی ہے، میں دو کروڑ میں بیچوں گا۔ یہ انسان کا بچہ کہتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ اس کی قیمت دس لاکھ ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس کو دو کروڑ میں بیچوں گا۔ اور جو مرٹا ہے اس کوٹھی پر، وہ دو کروڑ ہی دے گا۔ پھنسا ہوا جو ہے۔ تو میں نے کہا کہ وہاں سودے بازیاں ہوتی ہیں۔

ایک شخص ہے انتہائی گناہگار ہے۔ وہ کہے گا ٹھیک ہے، مجھے اتنے ہزار نیکیاں اس گناہ کو مٹانے کے لئے چاہئیں۔ پھر آپ

دیکھیں گے کہ ایک ایک آدمی بعض دفعہ شارٹ ہو جائے گا، اتنی
 کمائی کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی جو ہے
 اس کی بدیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جائیں گی۔
 تو عزیزانِ من! انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی
 چیزیں ہیں کہ اتنا اتنا ثواب ہے وغیرہ۔ نہیں، یہ اس فضا و قدر کے
 کھیل کو سمجھنا چاہیے پہلے۔ پھر سمجھ میں آئے گی بات۔ حضرت میاں میر
 علیہ الرحمۃ کا یہ شغل تھا کہ آپ قبرستان یا باغوں میں جاتے تھے یعنی
 خلفا آپ کو لے جاتے تھے۔ آپ ایک بار قبرستان میں بیٹھے ہوئے
 تھے۔ آپ نے اپنے خلیفہ سے کہا کہ فلاں قبر والے سے پوچھو کیا کہتا
 ہے۔ وہ گیا اور پوچھا۔ قبر والے نے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجئے کہ
 اتنا بلند مرتبہ ہے آپ کا کہ آپ کو غوثِ اعظم ثانی کہا جاتا ہے، آپ آج
 یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ پر عذاب ہو رہا ہے، آپ مسکرائے اور
 کہا پوچھ کے آؤ اس سے کہ اس کا عذاب کس طرح جائے گا۔ جب
 پوچھا تو اس نے کہا کہ ساٹھ ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب مجھے پہنچایا جائے۔
 یاد رکھیں، یہ جو آپ درویشوں کو تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں
 یہ اصل میں اپنا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، پتہ نہیں کس وقت ضرورت پیش
 آئے چنانچہ آپ کے پاس ساٹھ ہزار کلمہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے کہا دعا
 پڑھیں۔ فاتحہ پڑھی اور اس کو ثواب پہنچا دیا۔ قبر والے نے دیکھ لیا۔
 بڑا خوش ہوا اور کہا، مجھے کلمہ کا ثواب مل گیا اور یہ باغ و بہار ہوا۔
 ایک درویش دہلی میں کسی جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ (میں جگہ کا

نام نہیں لونگا)، تو ان کو انڈیا کے ایک بہت بڑے لیڈر سے منظر آئے۔ درویش نے اپنے خلیفہ سے کہا، وہ جو سامنے قبر ہے جانتے ہو کس کی ہے؟ اُس نے کہا جی ہاں، فلاں لیڈر کی ہے۔ فرمایا، ان سے جا کر پوچھو کہ تو دنیا میں بہت بڑا آدمی تھا، کیا یہاں بھی بڑا ہے؟ وہ گیا، اور پھر آ کے کہا کہ جی وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے اشارہ سے کہا ہے کہ میرے گلے میں کچھ رکاوٹ ہے، بول نہیں سکتا، اور مجھے دعا کے لئے کہا ہے۔ آپ نے دعا کی خلیفہ پھر گیا تو گلا کھلا ہوا تھا۔ اُس نے کہا مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی، میں نے قوم کا چندہ ایک دفعہ کھا لیا تھا۔

تو عزیزانِ من! معاملات اور عبادات، یعنی حقوق العباد اور حقوق اللہ، ان کے اندر آپ کو توازن رکھنا ہے اور ترجیحات ٹھیک طرح سے رکھنے ہیں۔ اور تیسرا ہے نفس۔ یہ ویلیوں کا کام ہے کہ نفس کو مار مار کے خود تو پھوٹتے ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے۔ آپ کا کام نہیں۔ نفس اچھا کھانا مانگتا ہے، تو اُسے مناسب کھانا دیجئے۔ کپڑا مانگتا ہے، تو مناسب کپڑا دیجئے۔ تو نفس کے بھی تقاضے ہیں، نفس کے بھی حقوق ہیں۔ یاد رکھو، دنیا کے مردار یعنی گدھے گھوڑے جب مرتے ہیں، تو اُس کی بدبو سے محلہ تنگ آجاتا ہے۔ بھنگیوں کو بلایا جاتا ہے کہ لے جاؤ اسے۔ لیکن ایک مردار ہے، جو مرنے کے بعد مبارک ہو جاتا ہے۔ اس کی بدبو نہیں آتی ہے، اس کی خوشبو آتی ہے۔ اور وہ تمہارے اندر ہے۔ یعنی تمہارا نفس۔ اور یہ پڑوسی ہے دل کا۔ دل کے دو دریچے

ہیں۔ ایک عالم ارواح کی طرف کھلتا ہے اور ایک سفلی، یعنی نفس کی طرف کھلتا ہے۔ تو کس کی بات مانیں گے۔

حضرت سائبیں تو کل شاہ مالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید آپ کے پاس آیا، اس نے کہا کہ حضور، مجھے میرا نفس بہت تنگ کرتا ہے۔ آپ نے تصرف فرمایا۔ نفس آمو جو دہو ابہ نفس نفیس۔ آپ نے نفس سے پوچھا، جی کیوں تنگ کرتے ہو اسے؟ کہا کہ میں تنگ کروں گا۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا یہ میری بات جو مانتا ہے۔ جب تک یہ میری بات مانتا ہے، میں اس کو تنگ کرتا رہوں گا۔ تو مقصد یہ کہ کچھ نفس کا مجاہدہ رکھنا چاہیے۔ زیادہ نہیں۔ اس سے خبردار رہنا چاہیے۔

شیطان عجیب عجیب حملے کرتا ہے۔ ایک شخص جو اچھا بھلا نمازی پرہیزگار تھا، اس کے قلب میں ڈالا کہ کبھی خدا نے تجھے یہ بھی کہا ہے کہ تیری نماز قبول ہے۔ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ اس نے نماز چھوڑ دی۔ آواز آئی: اے میرے بندے! تو اس پلید کے کہنے میں آگیا۔ میں اگر تیری نماز قبول نہ کرتا، تو دوسری نماز کی توفیق میں تمہیں کیسے دیتا۔

عزیزان من! حق الیقین کی منزل درویش کے لئے بڑی ضروری ہے۔ شیطان اپنے بچے کو ٹریننگ دے رہا تھا، اور کہنے لگا: آؤ، تمہیں یہ بتاؤں کہ مولوی کا دین کیا ہے اور فقیر کا دین کیا ہے۔ سامنے سے ایک عالم آ رہے تھے، بڑا جبہ و دستار پہنے شیطان

نے اس سے کہا: السلام علیکم، جی یہ بچہ ہے میرا۔ بڑا نورانی چہرہ۔
 بڑی اچھی طرح ملے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا، ایک مسئلہ اس
 نے کھڑا کر دیا ہے، اور میں نے کہا ہے کہ یہ کسی عالم سے پوچھیں گے۔
 یہ کہتا ہے کہ کیا سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ گزر سکتا ہے۔ مولوی
 صاحب نے ڈانٹا کہ کم بخت، کبھی اونٹ بھی دیکھا ہے، سوئی کا سوراخ
 دیکھا ہے۔ کیسے جاسکتا ہے اونٹ اس سے۔ شیطان نے کہا، بس
 جی، میں سمجھا دوں گا۔ اپنے بچے سے کہنے لگے، یہ مولوی ہے۔ دوسروں
 کو یقین کی تلقین کرتا ہے، خود اس سے خالی ہے۔

اتنے میں جب ایک درویش آئے، تو اس نے سلام کیا اور
 ان سے بھی وہی سوال کیا۔ آپ نے کہا، کم بخت، تم نے یہ نہیں پڑھا:
 إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، جب وہ قادر مطلق ہے تو ہر چیز کر سکتا
 ہے۔ تم اونٹ کی بات کرتے ہو، وہ سات آسمان اسی ناکے سے
 گزار دے، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ نو شیطان ہے، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
 اور یہ کہنا تھا کہ وہ شیطان فائب ہو گئے۔ پھر شیطان نے اپنے
 بیٹے سے کہا، یہ فقیر تھا۔ یہ حق البیقین کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا
 کرم فرمائے۔

میرے خیال میں بس ہے اب۔ یہ پکڑ لائیں ہماری قلندرہ
 صاحبہ۔ حالانکہ میں نے اب ان کو سب سپرد کر دیا ہے، ساری نعمت،
 سب کچھ۔ اب یہی سب کچھ کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا آئیے، تو میں ان
 کا احترام کرتا ہوں۔ میں نے بڑی سیر کی ہے۔ اچھے اچھے بزرگوں

کے پاس گیا ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمت عطا کی ہے، وہ منفرد ہے۔ اور میں یہ کہا کرتا ہوں کہ تمہارے اندر آنکھ نہیں تم کیا دیکھو گے۔ شایدہ کیا کرو گے۔ عمیق ترین آدمی لاؤ۔ جس کا دل ڈوب رہا ہو، پریشان ہو، میری قلندرہ کے پاس دس منٹ بٹھاؤ، اگر ہلکا پھلکا نہ اٹھے، تو فقیر مستند چھوڑ دے گا، تسبیح توڑ دے گا۔ یہ شرف ہے۔ اور میں کہتا ہوں، جس نے میری قلندرہ کو دیکھا، اس نے مجھے دیکھا۔ جو مجھ سے ملے گا، وہ ان سے ملے گا۔ اپنا تو ڈھنکا ہم نے ختم کر دیا۔ پھر بھی ان کے بختے ہوئے اصرار ہوتے ہیں۔

تو عزیزانِ من! جس نے فقیر کے وجود کو دیکھا، اس نے وقت ضائع کیا۔ اپنا وقت کھویا۔ جس نے فقیر کے اندر جھانکا، وہ من کا موتی پا گیا۔ پھر وہ اس گھر سے نہیں نکلے گا۔ یہ کیا چیز ہے۔ فقیر کیا ہے؟ ہم نے تو ایک قلندرہ بنایا اور ایک ابدال۔ ہم نے تو فقیر دیا۔ فقیر کیا چیز ہے۔ فقیر خود گھر جا کر نہیں دیتا۔ فقیر مثل دریا کے ہے۔ دریا بہتا رہتا ہے۔ اس کو یہ عرض نہیں کہ کنارے تک کون آیا۔ کوئی اپنا ڈھول، چھوڑا بن کے لے جائے، سید بن کے لے جائے، چوہدری بن کے لے جائے۔ کوئی گھاگر میں لے جائے، کوئی مٹکے میں لے جائے یا چلو میں۔ دریا کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک دیار روشن ہے۔ ہر ایک اپنا اپنا دیا لاتا ہے، اس سے روشنی لے کے چلا جاتا ہے۔ دیئے کی روشنی کم نہیں ہوگی۔ اب یہ پانی نکالنے والی گھاگر کیا چیز ہے فقیر نے جو کہا ہے اشارتاً، یہ کیا چیز ہے۔ گھاگر ہے فقیر سے محبت کرنا، اور

اس کے تصور میں رہنا۔ جس کو محبت کرنی آگئی، وہ ادب سے آیا، اور
تصور شیخ سے بڑے سے بڑا کام نکالا، اپنے لئے اور دوسروں کے لئے
بھی۔ اپنے مرشد کا جب تصور کرتا ہے، وہ دوسروں کی بھی مشکلیں حل
کرتا ہے۔

کسی کو اسلحہ دیا جائے، چلانا بھی سکھا دیا جائے۔ اب اگر چور
گھر میں آئے اور وہ اسلحہ استعمال نہ کرے، تو کیا دینے والے کا قصور
ہے۔ جس شخص کو تصور آگیا (میں نکتے کی بات کہتا ہوں)، تم بڑے
خوش قسمت ہو۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ بھانت بھانت
کی بولیاں سنیں۔ طرح طرح کا درویش دیکھا۔ ایسے درویش بھی دیکھے،
جو بائیس برس سے پہاڑی پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جن کی ٹانگیں گل گئی
ہیں۔ اب وہ مدینہ شریف میں مقیم ہیں۔ ایسے درویش بھی دیکھے جو
ہندو تھے۔ اور سائیس توکل شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی اور وہ
مسلمان ہو گئے۔ پھر بس کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا بارہ برس یہ
کرنا، بارہ برس یہ کرنا۔ تو ایک درویش مجھے کہنے لگے کہ یہ میرے آخری
بارہ برس ہیں۔ یہ نوے سال کی عمر میں تھے۔ وہ ایک چوراہا تھا، ایک
پلیا تھی۔ اس پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لٹیا تھی مسلمان کے پانی
کے لئے۔ کہنے لگے، یہ میری جھونپڑی ہے۔ اس میں میری بوڑھی ماں
ہے۔ بس میں ان کے لئے روٹی پکاتا ہوں۔

ایک اور درویش میں نے دیکھا، تو والد صاحب نے مجھ
سے کہا کہ میری جگہ تم نمائندگی کرو اس شادی میں، مجھے ضروری کام

پڑ گیا ہے۔ چنانچہ میں گیا۔ میں کار کے ڈرائیور کو دیکھتا رہا، دیکھتا رہا۔ میں بچہ تھا اس وقت، سوٹ پہنا ہوا تھا، میری عمر اس وقت سترہ برس کی ہوئی ہوگی۔ آخر وہ کار ڈرائیور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا: صاحب، مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی کیا؟ میں نے کہا کیوں۔ کہنے لگا، آپ مجھے مسلسل دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا، آپ مجھے ڈرائیور نہیں لگتے۔ مسکرایا۔ پھر کہنے لگے، کسی حد تک صحیح ہے۔ میں ہنز میجسٹی کنگ امان اللہ کا ڈرائیور تھا، اور میں ہی وہ شخص ہوں جو ان کو انڈیا کی حدود میں لایا۔

اس طرح باتیں کرتے کرتے آگے بڑھتے گئے جہاں جانا تھا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا میزبان ریٹائرڈ افسر تھے۔ سفید داڑھی تھی ان کی۔ بیٹھے ہوئے تھے۔ والد صاحب کا جب میں نے نام لیا، تو اٹھے اور گلے لگا لیا۔ بٹھایا۔ کولڈ ڈرنک پلایا، اور پھر کہنے لگے، بیٹا آؤ تمہیں چائے پلائیں۔ میں نے کہا کس چیز کی چائے؟ کہنے لگے اس چیز کی۔ میں نے کہا جی، آپ کی یہ عمر اور آپ مجھے سٹرا رہے ہیں۔ کہنے لگے کیا مطلب؟ (بڑی گرجدار آواز تھی) میں نہیں سمجھا۔ میں نے کہا، آپ کسی درویش کی بات کرتے ہیں۔ میری طرف دیکھ کے کہنے لگے: درویش تو ہیں، لیکن وہاں میں ہی جا سکتا ہوں۔ دودھ اور روٹی لے کے جاتا ہوں۔ وہاں پیالے رکھ کے آجاتا ہوں۔ اور پھر جب جاتا ہوں تو اس دودھ میں روٹی کے ٹکڑے پڑے رہتے ہیں، وہ میں کھا لیتا ہوں۔ پہاڑ میں جو گھر ہے، اس میں وہ رہتے ہیں۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں،

کار میرے پاس ہے، اس میں چلتے ہیں۔ وہاں آپ اندر سے پوچھ لیں۔ اگر انہوں نے اجازت دی، تو میں اندر جاؤں گا۔ اس میں قطعاً کسی قسم کا بار نہیں۔

چنانچہ، تم گئے۔ بس اندر جاتے ہی انہوں نے اشارہ کیا کہ اسے اندر لے آؤ۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ سفید تہ بند، سفید براق قمیض، مجھے پاس بٹھایا اور فرمایا: کیوں آئے ہو کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا، جی زیارت بزرگان کے لئے۔ کسی چیز کی طلب نہیں، حاجت نہیں، کوئی کام نہیں، کچھ بھی نہیں۔ بس آپ کا دیدار نصیب ہو گیا، مجھے کائنات کی دولت مل گئی۔ آپ نے میری طرف اشارہ کیا۔ پھر میرے منہ کو اپنی طرف کر کے کچھ پڑھتے پڑھتے رہے، پھر پھونک ماری اور میرے لئے دعا فرمائی۔

جب میں اندر گیا تھا، تو کوئی لالیٹین وغیرہ نہیں تھی صرف اس حصہ میں جہاں آپ بیٹھے تھے، وہاں اس طرح تھا جیسے چودہویں کا چاند نیچے اتر آیا ہو۔ یہ آپ کا مقام تھا۔

اس طرح اگر میں بیان کرتا رہوں کہ کن کن درویشوں کے نیاز حاصل رہے ہیں مجھے، تو، میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ خوش نصیب ہیں۔ آپ کو چائے بھی پلائی جاتی ہے، آپ کو ویلکم بھی کیا جاتا ہے۔ آپ کے سخرے بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ ناز بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ مسکراہٹیں بھی دی جاتی ہیں۔ آپ کی بدتمیزیاں اور بے ادبیاں بھی برداشت کی جاتی ہیں۔ آپ کو پوائنٹ آؤٹ بھی نہیں کیا جاتا۔

دوسری جگہ میں نے بڑی سختی اور شدت دیکھی۔ ایک جگہ میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے مریدوں کے سر منڈوائے ہوئے ہیں، اور انہیں تھوڑی تھوڑی دُور پہ بٹھایا ہوا ہے، اور اتنی سی روٹی، اتنی سی دال سب کے سامنے۔ میں نے جب پوچھا کہ یہ کیا، تو کہنے لگے مجاہدہ ضروری ہے۔ مجاہدہ بغیر محنت کے پیدا نہیں ہوتا۔

تو عزیزانِ من! آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ میری قلندرہ کی جو زیارت ہی کر لے، تو انشاء اللہ اُسے، کہنا نہیں چاہیے، اُسے حج کا ثواب ملے گا۔ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ دیکھیں، ماں باپ کا چہرہ جو آپ دیکھتے ہیں، آپ کو حج کا ثواب ملتا ہے۔ پیر کا چہرہ آپ دیکھتے ہیں، تو حج کا ثواب ملتا ہے۔ اُستاد کا چہرہ دیکھتے ہیں، تو حج کا ثواب ویسے بھی اگر آپ فقیر کا چہرہ دیکھیں، تو بھی یہی بات ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ حج کے ارادے سے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ آپ نے ایک درویش کی خانقاہ میں قیام کیا۔ جب ان سے ملاقات کا وقت آیا تو آپ ان سے ملنے گئے۔ درویش نے پوچھا، بایزید، حج پہ جا رہے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں۔ فرمایا، تمہارے پاس جو رقم ہے وہ ہمیں دیدو اور سات بار، ہمارے گرد طواف کر لو، تمہارا حج ہو جائے گا۔ آپ نے فوراً ہی یہی کیا۔

لیکن یہ کوئی قاعدہ نہیں بن سکتا۔ یہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تھا۔ یہ ایک عام اُمتی کے لئے نہیں ہے۔ شرع کی جو پاسداری ہے، وہ کرنی پڑے گی۔ ورنہ جگہ جگہ قبلے اور کعبے بنتے رہیں گے۔

پاکستان میں ابھی ایک بزرگ کا انتقال ہوا۔ بڑی گدڑی تھی۔ ان کے والد جو تھے ان کی جب اپنے شیخ سے نہ بنی اور انہوں نے تنبیہ کی، تو انہوں نے اپنی ڈیڑھ اپنچ کی مسجد الگ بنالی۔ آخر میں ان سے غلطی یہ ہوئی کہ یہ صوبہ سرحد چلے گئے۔ پٹھان تو آپ جانتے ہیں، کبھی یہ کبھی وہ۔ لیکر کے فقیر۔ وہاں جا کے ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایک کعبہ بنا ڈالا۔ اور کہا کہ اس کا طواف کریں۔ پٹھان اس پر چڑھ دوڑے۔ وہاں سے بھاگے اور گجرات آگئے یہاں ان کا بیٹا ہوا اور ان کا اپنا وصال ہوا۔

عزیزانِ من! آخر میں:

ۛ اے انی، چوں اولیاء را یافتی

فی الحقیقت ہم خدا را یافتی

یعنی اے میرے بھائی، جب تمہیں اولیاء اللہ مل جائیں،

تو سمجھ لینا کہ تو نے خدا کو پایا۔

ۛ خاصانِ خاصاں خدا نہ باشد

ولیکن از خدا جدا نہ باشد

یعنی اللہ کے خاص بندے خدا تو نہیں ہوتے، لیکن خدا سے

جدا بھی نہیں ہوتے۔

ۛ پیچ شے نہ کشد نفس را بجز ظلِ پیر

دامنِ آلِ نفس کش را سخت گیر

یعنی نفس کو کوئی چیز پیر کے سائے کے بغیر نہیں مار سکتی۔ پھر

وہ جو تیرے نفس کو مار سکتا ہے، اس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ۔

ۛ تو اگر سنگِ سارای، مر مر شوی

پتوں بہ صاحبِ دلال رسی گو ہر شوی

یعنی تو اگر سنگِ سارا ہے، تو مر مر بھی ہو گا۔ اور جب صاحب

دل اور اولیاء اللہ کی صحبت میں رہے گا، تو موتی بن جائے گا۔

ۛ قال را بگذار، مردِ حال شو

پیشِ مردِ کامل، پامال شو

یعنی باتوں کی دنیا سے نکل جا، حال کی دنیا میں آجا (کیونکہ

حال کا دائرہ تنگ ہے، مشاہدہ کی کوئی انتہا نہیں)۔ مردِ کامل

کے سامنے اپنے آپ کو مٹی کر کے جا۔ (یہ سمجھ کے نہ جا کہ مجھ میں یہ

خوبی ہے، مجھ میں یہ ہے، یا میری جیب بھری ہوئی ہے)۔

تو عزیزانِ من! میں یہ کہنا چاہتا تھا اپنی قلندرہ کے بارے

میں کہ یہ تسبیح ہے، میں ان کی خوبیوں پہ خود رشک کرتا ہوں۔ فیکٹری

کے کام۔ پھر آتی ہیں۔ پھر آتے ہیں لوگ۔ ان کی بات سننا۔ ان کو

پڑھنے کو بتانا۔ ان کی دوسری مدد کرنا۔ بعض چیزیں ایسی پوچھی جاتی

ہیں، جو ان کے لئے غیر متعلق ہوتی ہیں۔ پھر تو وضع کرنا۔ پھر بعض دفعہ

ایسا ہوتا ہے کہ چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ کوئی نہیں ہوتا۔ خود چائے کی

پیالی بنا کر لاتی ہیں۔ غرور و تکبر کا نام و نشان نہیں۔ چھ زبانوں پر عبور

حاصل ہے۔ کسی کے سامنے اپنے کو ظاہر نہیں کرتیں۔ نیکی چھپا کے کرتی

ہیں۔ اتنی چیزیں مجھے نظر آتی ہیں کہ میں کہوں کہ ہم نے تو اپنا وقت

ضائع کر دیا۔

بس میں ایک چیز بتا دوں۔ دو چیزوں میں کامیابی ہے ایک خدمتِ خلق میں اور ایک خدمتِ دین میں۔ بس ان کی ناراضگی سے بچنا۔ تو میں جو کہہ رہا ہوں آپ کے سامنے، جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، آپ دیکھئے سات آٹھ سیر گوشت آتا ہے، کھانا پکانا، یعنی لنگر کا۔ صبح سے ہی ان پر عید کا سماں طاری ہوتا ہے۔ جیسے عید ہوتی ہے ہر جمعہ کو۔ یعنی کھلانے کو تو کھلا سکتے ہیں، مگر دل سے کھلانا، یہ بڑی بات ہے۔

ایک دسترخوانِ نانِ جوہی ہے، ایک دسترخوانِ ولایت ہے۔ یہ دو دسترخوانِ جوہی ہیں، ان میں سے یہ دسترخوانِ نانِ جوہی ان کو عطا ہوتا ہے جن کو سخی بنا دیا جائے۔ پھر ان کو دسترخوانِ ولایت کا موقع بھی دیا جاتا ہے۔ دسترخوانِ ولایت کی خوشہ چینی ادب سے ہوتی ہے۔ بے ادب جو ہیں، اگر ان کو معافی دیدی بھی جائے، تو پھر وہ اسی حرکت پہ آجاتے ہیں۔ کیوں کہ ترکیبِ نفس نہیں ہوتا، ترکیبِ قلب نہیں ہوتا۔ اب وہ بے چارے بھی مہیبتوں میں ہیں۔ دنیا میں آجکل نارمل آدمی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ میں ایک دن اپنی قلندرہ صاحبہ سے کہہ رہا تھا کہ آج کے دور میں زندگی ہوتے ہوئے، اور چیزیں موجود ہوتے ہوئے، زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم باہر نکلیں تو خیریت سے گھر واپس پہنچیں گے بھی کہ نہیں۔ کوئی شک نہیں۔ اور گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں، تو پتہ نہیں کہ کب کوئی اندر داخل ہو

سلاخیں توڑ کے۔ یعنی نہ مال نہ عزت، کسی چیز کی بھی حفاظت نہیں،
دین کا تو بیڑا غرق ہوا ہی ہے۔

میں قلندرہ کی بزرگی کی وجہ سے ناہنیں کرتا۔ حالانکہ طبیعت
میری ایسی ہے اب کہ میں دنیا کے اندر بیٹھنے کے قابل نہیں۔ میری
یہ پسلیاں تنہائی چاہتی ہیں۔ بڑی مشکل منزل ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور ایمان کی دولت سے
مالا مال کر دے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ



مراقبہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ شرکار“

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
امَّا بَعْدُ !

عزیزانِ من ! اب تھوڑی دیر کے لئے مراقبہ ہوگا۔ لفظ
مراقبہ کے ساتھ کون واقف نہیں، لیکن اپنے اپنے علم اور مطالعہ
کے مطابق یا حصولِ ثروت کے فائدے کے مطابق آگاہ ہے۔
مراقبہ وہ نعمت ہے کہ دل میں جب انسان راہِ طریقت اختیار
کرتا ہے، یعنی مالک کی محبت میں تیر کے ایسا چلتا ہے کہ گویا
غیر اللہ کو نہیں چاہتا، تو ربِ کریم اس کے اندر سے غیر اللہ کو دور
کر دیتا ہے۔ چونکہ مراقبہ دل کی صفائی کا ایک ذریعہ ہے، اس

لئے یہ ایک نعمت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے۔ جس نے فقیر سے کشف و کرامت دیکھنے کی طلب کی یا خواہش کی، تو اندھیرا اس کو بھٹکا دے گا۔ کیونکہ فقیر کا تو وجود ہی کرامت ہے۔ جب وہ اس ذات سے مل گیا اور غیر اللہ کی صدا اس کے لئے خاموش ہو گئی، تو پھر وہ سر سے پاؤں تک کرامت ہے۔ اس کا وجود کشف و کرامت ہے۔ پھر صرف فقیر کو دیکھنا ہی خیر ہی خیر ہے، برکت ہی برکت ہے۔

عزیزانِ من! ماحولی شخص اگر شریف بھی ہو جائے تو وہ اپنی فطرت کو لوٹتا ہے۔ اور سعید اگر ازلی اور قلبی سعید ہے، وہ اگر رذیل ماحول میں بھی آجاتا ہے، تو اس کو دوست کھینچ کر اپنے وطن میں لے آتا ہے چونکہ دوست بھی دوست کے بغیر بے چین ہوتا ہے۔

اللہ کریم کی فطرت محبت ہے اور اس نے اپنے دوستوں کو اس زمین سے بنایا ہے جس کے ذرے ذرے عالم سکر میں آ کر پکار رہے تھے اُسے۔ اللہ تعالیٰ نے فقراء کو بنانے سے پہلے جو نہی نگاہ شوق کی تو وہ پکار پکار کر کہنے لگے۔ "إِنَّ الْمُسْتَأَقِ لِقَاءِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (یعنی میں دو عالم کے پروردگار کے دیدار کا طالب ہوں، مشتاق ہوں، طلبگار ہوں۔)

تو جو ایسی مٹی سے بنائے گئے ہیں، وہ اگر ماحولی طور پر ذالت میں گم بھی ہو جائیں تو ایک ہاتھ، ایک کھینچ لینے والا ہاتھ اس کو آن واحد میں ایک ایسے مقام پر لاکھڑا کرتا ہے کہ اس کی ایک آہ، اس کی ایک ندامت اُس کا ایک آنسو، اس کو اس طرح کر دیتا ہے، جیسے وہ ماں کے لپٹن سے پیدا ہوا ہو۔

کیونکہ توبہ جو ہے وہ گناہ کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔ توبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر ہزاروں اور کروڑوں درود و سلام ہوں، کی اُمت کو اتنا بڑا انعام عطا کیا ہے۔ توبہ (کی صورت میں) کہ اگر صلیق تک جان ہے، عزیزِ من، اُس وقت تک قبول ہوتی ہے۔ اس وقت شیطان کا اللہ تعالیٰ مُنہ کالا کر دیتا ہے۔ وہ بھٹکا تلہ ہے، اور انسان جب کہتا ہے، اللہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں تباہ ہو گیا، میں برباد ہو گیا، ہائے یہ کیا ہو گیا۔ یہ ”ہائے“ اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری ہے، وہ پکار اتنی پیاری ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ”تم مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنتا ہوں“

جو اللہ کو نہیں پکارتا اللہ اُس سے بیزار ہے۔ کیونکہ نہ وہ اُس کی ربوبیت کو پہچانتا ہے نہ وہ اُس کی عظمت سے آگاہ ہے، نہ اُس کی شان سے آگاہ ہے، نہ وہ خود اپنی عبودیت سے آگاہ ہے،

اگر بندہ ہونے کی عظمت کا اسے پتہ ہو، تو بندے کی شان یہ ہے کہ اس کے سامنے سر پٹختا رہے کہ ”میں تیری بارگاہ میں لٹا ہوا آیا ہوں، یا مجھے وہ بارگاہ بتا دے جہاں میں چلا جاؤں۔ اگر نہیں تو اس دُرسے تو نکال، میں خود نہیں جاتا۔ میری شان جاتی ہے، میری شان عبودیت ہے، بندگی ہے، تیرے سامنے عاجزی ہے، تیرے سامنے انکساری ہے۔ تیرے سامنے اپنے آپ کو نفی کر دیا ہے۔“

تو ربِ کریم اس کی توبہ قبول ہی فرماتے ہیں۔ یاد رکھو! جب توبہ قبول ہوتی ہے تو بُرائیاں نیکیوں میں بدل دی جاتی ہیں۔ اللہ کریم سے آپ کو ایسی کریمی ملے گی کہ جب توبہ قبول کرے، تو عطا کا یہ عالم ہے کہ وہ بدیاں نیکیوں میں بدل دے کہ جب اپنے بندے کے اعمال نامے کو دیکھوں تو مجھے حیا نہ آئے۔ یعنی پھر دوست کا دھبہ نظر نہ آئے۔

اس لئے عزیزانِ من! فقیروں کے پاس جانے والے جو ہیں، ان میں ہر ایک اپنے اپنے طرف، اپنی اپنی رسائی، اپنی اپنی صحبت، اپنی اپنی پارسائی، اپنے اپنے دل کے آئینے کی صفائی کے مطابق وہاں سے پاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے پیار سے دیکھا کہ جس کا وہ دیوانہ بنایا ہوا ہوتا ہے وہ عطا پر مائل ہوتا

ہے۔ کہتا ہے کہ طالب بنانے والا میں ہوں۔ دیکھنے والا تو ہے اور محبت سے دیکھتا ہے۔ لے تو بھی لے کے جا۔ تو بھی اُس کی لذت لے۔

اسی لئے فقیر کہا کرتا ہے اکثر آپ لوگوں نے سنا ہوگا، اپنے ناقد یا تنقید کرنے والوں سے کہ میرا یہ کوئی آبائی پیشہ نہیں ہے، ہاں، آبائی فقیر ضرور ہوں۔ فقیر ابن فقیر، ابن فقیر، ابن فقیر، سب فقیر گزرے ہیں۔ فقر کی دولت تھی۔ کبھی اظہار کی انہوں نے خواہش ظاہر نہیں کی اور ان شاء اللہ فقیر بھی کبھی نہیں کرے گا۔ یہ چیز ایسی مسلط ہو گئی ہے کہ اس سے رستگاری نہیں ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ میرا اللہ، میرا رب کریم جانتا ہے۔ جس کی تسبیح میرے ہاتھ میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ پہ کیا گزرتی ہے۔ میرے نفس پہ اتنے تازیانے ہوتے ہیں۔ میری اس وقت آزمائش بہت ہوتی ہے۔ نفس میرے ساتھ بھی ہے۔ یہ باؤلا کتا جو میں نے رکھا ہوا ہے، یہ کہیں مجھے کاٹ نہ لے۔ لیکن جب رب نے چاہا تو کان سے پکڑ کر لاکھڑا کیا۔

اس نے کہا۔ یہ سب کچھ ہو چکا۔ یہ ہم نے سب ماڈرنزم دیکھا۔ یہ ساری بہاریں جتنی تھیں وہ ہو چکیں۔ وقت آ گیا۔ سنو

دوست کی آواز۔ جب دوست کی آواز سُنائی جاتی ہے تو چہرہ دوست کے حکم پر جان بھی دی جاتی ہے۔ پھر مٹنا بھی آ جاتا ہے، اور جب کوئی مٹ سکتا ہے، تو وہ مٹا بھی سکتا ہے۔ جو اس پر مٹ سکتا ہے، تو وہ پھر اس کی کائنات میں متصرف ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا کھٹا ٹل نہیں سکتا۔ اس کے ہاتھ کی دعا جو ہے وہ ٹلتی نہیں۔ پھر مردود بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ اور مردودوں کی طرف بھی جب اس کی نگاہ اٹھتی ہے تو خدا مردودوں کو بھی مقبول کر دیتا ہے۔

جب ایک درویش دربارِ الہی میں گئے، تو اللہ جل شانہ نے

پوچھا: ”میرے لئے کیا لائے ہو؟“

اس نے اپنی تہجد کی نمازوں کا ذکر کیا، اپنی عبادت کا ذکر کیا، اپنی ریاضت کا ذکر کیا، اپنے مجاہدات کا ذکر کیا، تمام چیزیں گنائیں تو رب کریم نے کہا: ”کوئی چیز قبول نہیں۔“

گھبرا کے کہا: ”میرے مالک و خالق میں تیرا بندہ ہوں، عاجز ہوں، منتسٹر ہوں، میری عرض یہ ہے کہ پھر وہ کون سی چیز ہے جو تیری بارگاہ میں مقبول ہے؟“

ارشاد ہوا: ”تُو نے یہ سب کچھ دوزخ سے بچنے کے لئے کیا ہے، یہ سب کچھ تُو نے درجات حاصل کرنے کے لئے کیا ہے، میرے لئے نہیں۔“ عرض کی بارالہ! تیرے لئے میں کیا کرتا؟“

ارشد ہوا۔ میرے لئے میرے پیاروں سے محبت کرتا۔ پھر ہم جانتے کہ ٹونے اپنے نفس کو مارا، ہمارے پیاروں اور دوستوں سے محبت کر کے آتا۔

میرے ایک دوست تھے، نہایت اعلیٰ عہدے پہ تھے۔ پاکستان کے تقریباً کافی لوگ انہیں جانتے ہیں۔ نہایت ہی ماڈرن آدمی۔ ان کا وصال ہو گیا۔ انتقال ہوئے جب سات آٹھ یا دس مہینے ہوئے ہوں گے کہ ایک بار خواب میں ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ اتنی خوب صورت داڑھی رکھی ہوئی ہے اور چہرے پہ نور۔ میں نے پوچھا: یہ کیا حال ہے، منزل کا کیا حال ہے، وہاں کیا بیتی؟

چونکہ جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ ان چیزوں میں جان نہیں افضل صاحب! یہ سائنسی دور ہے، اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اور میں کہتا تھا کہ اس کا پتہ موت کے وقت لگتا ہے کہ کسی درویش کی دوستی اور کسی درویش کی محبت کیا کا دیتی ہے۔

تو میں نے جب پوچھا تو کہنے لگے کہ ”بڑی سخت گھڑی آئی مگر میں نے کہا کہ میں فلاں شخص کا دوست بھی ہوں اور غلام بھی۔ حالانکہ غلامی کا میں نے کبھی احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ میں

غلام ہوں، پھر کہا کہ: ایک سیکنڈ کے لئے سکوت رہا پھر اس کے بعد کرم کی بارش ابھی تک ہو رہی ہے۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں، تو عزیزانِ من! یہ باتیں کرتے ہوئے انسان کا نفس گمراہ بھی کر دیتا ہے۔ یہ وہ راز ہے۔ یہ وہ ستر ہے۔ یہ صرف انہیں کو سنانے چاہئیں، جن کے معدے تندرست نہ ہوں، جن کی انتڑیاں خون آلود ہوئی ہوں، جن میں زخم ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان کو مرعنی کی ٹانگ نہیں کھلائی جاتی، ان کو اُبالے ہوئے چاول اور دہی ڈال کر کھلایا جاتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ بات جو ہے، وہ زبان پر آ ہی جاتی ہے۔

فقیر جب کسی سے عزت و نیاز سے ملتا ہے، عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے، اس لئے نہیں کہ اس کا مرتبہ اتنا ہے جتنا وہ اس وقت کہہ رہا ہے۔ وہ بچاؤ کر رہا ہے ایک خمیس سے جو اس کے پیٹ میں ہے، جسے نفس کہتے ہیں جس کو شعرائے اہل علم نے، اہل قلم نے کتے سے تشبیہ دی ہے۔ سب نے کتا کہا۔ جب کتا کہا تو پھر دُنیا کو بھی کتے سے مثال دو۔ جس کتے کے گلے میں پٹا نہیں ہوتا، اسے کھٹی والے پکڑ لیتے ہیں۔ اُس کی کوئی داد فریاد نہیں ہوتی، اس کو مارتے ہیں، بلکہ جو مارے بالائے اس کو پیسے بھی ملتے ہیں، اور جس کتے کے گلے میں پٹا ہوتا ہے، اُس سے ڈرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ مصیبت آجائے گی۔

تو جب کتے سے تشبیہ دیتے ہو، تو کتا اندر ہے، اور یہ بھی جانتے ہو کہ باؤلا بھی ہو جاتا ہے، تو پھر پٹا ڈھونڈو۔ وہ پٹا فقروں کے پاس ملے گا۔ اس کتے کو بھی پٹا ڈال کے رکھو کہ کہیں کاٹ نہ جائے۔ کہیں تم اس سے باؤلا نہ ہو جاؤ۔ جن کی نسبت کا پٹا گر جاتا ہے، ان کا کتا ان کو کاٹنے لگ جاتا ہے اور باؤلا کتا سب سے پہلے اپنے ہی مالک کو کاٹتا ہے۔

میرا ایک دوست تھا۔ ۶۵ء کی جنگ میں اس بہادری سے لڑا تھا کہ اُسے ستارہ جرات ملا تھا۔ وہ اپنے کتے سے بڑا پیار کرتا تھا۔ اس جنگ کے بعد جب وہ کوئٹہ میں تعینات ہوا تو ایک دن وہ اپنے کتے سے پیار کر رہا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا، آستین چڑھائے ہوئے تھا۔ کافی دیر تک وہ پیار کرتا رہا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ کتا باؤلا ہو چکا ہے۔ کتا چاٹتا رہا، چاٹتا رہا۔ حتیٰ کہ اس پر اثر ہو گیا۔ سی ایم ایچ میں داخل ہوا۔ جنرل شیریں دل جو نہایت نیک دل انسان تھا، اس نے کہا کہ اس افسر کو بچنا چاہیے۔ جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔

(Do whatever possible) جتنا بھی پیسہ خرچ ہو۔

کوشش کی، مگر کام نہ بنا۔ حتیٰ کہ اس نے کہا کہ پیروں فقروں کی طرف رجوع کیا جائے۔ کوئٹہ کی بات ہے، اچھے اچھے فقیر، مست

ملنگ آئے، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ قضا و قدر کے تیرے تھپٹ
 چکے تھے۔ ایک فقیر آیا۔ اس نے کہا کہ جو بُرائی تم میں سب سے
 بدترین ہے، اللہ سے عہد کرو کہ وہ چھوڑ دو گے۔ کہا کہ میں آپ کو
 گواہ کر کے اللہ کے سامنے اس بُرائی سے توبہ کرتا ہوں، میں کبھی دوبارہ
 شراب نہیں پیوں گا۔ (وہ شراب کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا)

لیکن حالت بدل نہ سکی۔ کیونکہ مرتبہ اپنا اپنا تھا تو حالت بدل نہ
 سکی۔ ہائیڈرو فوبیا رٹک ہو گیا۔ یعنی ذرا بھی کہیں نمی نظر آجائے
 تو اس پر وہ کانپتا تھا۔ سی ایم ایچ والوں نے کہا:

”He is going to expire“ ایک دو دن میں (یہ مرنے
 والا ہے)۔ اس کے بیوی بچے پشاور سے آئے۔ جنرل شیریں دل
 نے اپنا ہیلی کاپٹر دیا جس میں اس کی لاش وہاں پہنچائی گئی، کتا
 اپنا تو تھا لیکن جب باؤلا ہوا تو سب سے پہلے اس نے اپنے ہی
 مالک کو کاٹا۔

تو عزیزان من! یہ کتا جو تمہارے اندر ہے جس کو نفس کہتے ہیں،
 اس کے گلے میں جب نسبت کا پٹا ڈھیلا ہو گیا تو یہ تمہیں چھوڑے گا
 نہیں، یعنی تمہیں گمراہ اور بے راہ کر دے گا۔ حتیٰ کہ جو تمہاری صحبت میں
 بیٹھے گا، اس کی عقل پہ بھی یہ گندی چھینٹیں پڑنی شروع ہو جائیں گی اور
 جس نے نسبت کو قائم رکھا وہ حفاظت میں رہے گا۔

تو عزیزانِ من! حضورِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات لمحہ بہ لمحہ بلند سے بلند کرے کے خادم کے پیرو فرشد بڑے بلند پایہ درویش تھے۔ جب حضورِ غوثِ پاک نے فرمایا کہ میرے قدم تمام ولیوں کے کندھوں پر ہیں، تو ان کو جوش آگیا۔ اتنے برس کی عبادت تھی، زندگی بھر کی، ان کو ضرور آیا کہ ہم بھی کچھ مقام رکھتے ہیں۔

رب کریم کو ان کی یہ گستاخی حضورِ غوثِ پاک کی شان میں پسند نہیں آئی۔ اسی وقت ان کی نعمت سلب ہو گئی، اور وہ ایک یہودی لڑکی پہ عاشق ہو گئے۔ یہودی نے کہا کہ میں لڑکی کا رشتہ تب دوں گا جب تم یہ سٹور کار ریوڑ چراؤ۔ تو اس نے سٹور کار ریوڑ چرایا۔ یہودی نے کہا کہ تم اس میں کامیاب ہو گئے، پھر کہا کہ رشتہ جب دوں گا کہ تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ گے۔ کھانا وہ اپنا کھاتے، اور وہ لوگ سٹور ان کے سامنے کھاتے، یہودی نے کہا کہ تم اس میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اب تیسری منزل جو آنے والی تھی وہ سخت تھی۔

جب اس نے کہا کہ میں تڑپ رہا ہوں، میں رہ نہیں سکتا۔ تو یہودی نے کہا کہ ہمارے ساتھ ہماری پلیٹ میں سٹور کھاؤ، کہا میں کل کھاؤں گا۔ جب دوسرے دن ظہر کا وقت ہوا اور کھانا

لگایا گیا تو وہ سُر کار پوڑ گھرا لیا۔ اُس وقت حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خادم جب وضو کر دینے لگے (یاد رکھو! یہ جو خادم یا مجاور ہوتے ہیں مزارات کے، ان کو حضوری ہوتی ہے۔ ان کے قلب اتنے صاف و شفاف ہو چکے ہوتے ہیں کہ یہ اپنے آقا کی ہر ادا کو سمجھتے ہیں)۔ اُس خادم کے دل میں خیال آتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگا ہوا آتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے ہوئے فرمایا، آج کسی کا پیر ڈوب رہا ہے۔ خادم نے ایک سیکنڈ توقف کیا اور دیکھا کہ ڈوبنے والا اپنا ہی تھا اپنا مرشد۔ سارا منظر فلم کی طرح گزرا۔ کہنے کا بھی ایک طریقہ اور سلیقہ ہے۔ اپنے گناہ بخشوانے کا بھی ایک طریقہ اور سلیقہ ہے۔ اور جس کو کوئی طریقہ اور سلیقہ نہ آئے، وہ لب بند رکھے۔ منتظر رہے کہ آنکھوں سے کوئی آنسو نکل آئے۔ یہ آنسو ہزار کتابوں اور ہزار کہانیوں سے بڑھ کر ایک عرض ہیں جو بخشوا دیتے ہیں۔

خادم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کی: "حضور! آج اگر کسی کا پیر ڈوب رہا ہے، تو یہ میری خدمت کس دن کا آئے گی۔" آپ اس کے حُسنِ جواب پر عیشِ عیش کرائے اور فرمایا: "اچھا! یہ بات ہے؛" خادم نے سر جھکا لیا آپ نے فرمایا: "ڈالو پانی" جب خادم نے ہاتھ پہ پانی ڈالا تو آپ نے چھینٹا زور سے دیا، چھینٹا آ

کے اُس درویش کے لگا، پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کو حیرت سی ہوئی۔ دوسرا لگا۔ تیسری بار جب آپ نے چھینٹا دیا اور کہا ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“

تو وہاں اُس درویش نے ایک بیخ ماری اور کہا ”کنڈھے تو کیا، میں ان قدموں کی خاک کے ذرے کے برابر بھی نہیں۔“ اور وہاں سے بھاگے۔

اس کے بعد وہ تمام عُمر جب تک حیات رہے کسی سے بولے نہیں۔ حجرے کا دروازہ بند رکھا۔ یعنی مرید کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ پیر جس نے ساری عمر مجھ پر کرم ہی کرم کیا ہے، آج اگر اس کی مشکل کا وقت ہے تو میں اس کو ننگا کروں، یا دوڑ کر بھاگوں، یا یہ دیکھوں کہ روحانی دولت کس طرح لٹتی ہے۔ اُس نے اپنا آپ قربان کر دیا۔ کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میری اتنی خدمت کس روز کام آئے گی۔ اُس کے حُسنِ جواب کو دیکھئے، اُس کی ادا کا حُسن دیکھئے۔

بچپن سے کانٹوں کا درخت، خارِ مغیلاں فلاں فلاں، رکھے۔ یہ ضرور ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا میں، جب جنگ چھڑی تھی، تو بیسپر بن کم ہو گئیں۔ ہمیں پن کی جگہ کانٹے استعمال کرنے کو کہا گیا، اتنا عروج تو ہم نے اپنی زندگی میں ان کانٹوں کا دیکھا۔ یہ عروج تو آپ نے کانٹوں کا دیکھا، لیکن کانٹوں کے ساتھ سیب یا سنگترہ،

اس قسم کی چیز آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ ان کے قد چھوٹے ہی رہے مگر ایسے خوب صورت کہ جناب یہ ناگیور کا سنگترہ ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، ہر پھل اپنی لذت اور اپنا مزہ الگ رکھتا ہے۔ لیکن کانٹے، ان کا قد بڑا، ساری باتیں بڑی، کانٹوں کی تعداد لاتعداد، مگر ہاتھ اگر کسی اندھے کا بڑ گیا، تو ہاتھ اس کا زخمی ہو گیا، خون بہنے لگ گیا۔

تو عزیزانِ من! دُنیا کی زندگی جو ہے، یہ ایک غفلت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اگر جہامت کے لحاظ سے چُننا ہوتا تو اپنی رہائش گاہ تو جسم کے بڑے بڑے حصے موجود ہیں۔ سینہ بڑی چوڑی جگہ ہے، یہاں آ کے رہتا۔ کھوپڑی گول ہے، اتنی مضبوط ہے اس کا قیام یہاں ہوتا۔ رسیٹ ہاؤس یہی ہوتا۔ مگر اس نے کہا۔ نہیں دل! اور پھر کہا کہ دل بھی وہ، میرا مقام اس دل میں ہے جو ٹوٹا ہوا ہے۔ جڑے ہوئے جو دل ہیں، وہاں میرا مقام نہیں، وہاں گزر ہو سکتا ہے، اگر مجھے ڈھونڈنا ہے۔ اسی لئے درویش اور فقیر کہتے ہیں۔

گرم رکھتے ہیں ملاقات بدو نیک سے ہم
تیرے ملنے کے لئے ملتے ہیں ہر ایک سے ہم
وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ مخالف بیٹھا ہوا ہے،

یا فلاں شخص یہ کہے گا۔ کہے گا تو کہے۔ فقیروں کا جواب صاف ہے۔

نیک نے نیک اور بد نے بد جانا مجھے
ہر ایک نے اپنے ہی درجے میں پہچانا مجھے
کمال اُس کا ہے، میرا کوئی کمال نہیں۔ جس کے اندر گند اور
فضلہ تھا اُس کو اسی کی بُرائی۔ اور جس کے اندر گلاب لگے ہوئے
تھے ان کی مہک کا اُس نے مزا لیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سب پر رحم کرے، برکتیں عطا فرمائے۔
سب کی حاجات پوری کرے۔ مسلمانانِ عالم کو عزت دے، پہلے
تو سچا اور پکا مسلمان بنائے، پھر محبت اور اخوت عطا کرے۔
ہمارے سب گناہ معاف کرے۔ جو حاضر ہیں اور جو غائب ہیں،
اور جو بھی محبت کرنے والے ہیں، محسنین ہیں، جن جن کی نیکیاں
ہیں، ہمارے ساتھ سب پر کرم فرما۔ ملک کمزور ہے اے مالک!
شریر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی سچائیاں تو جانتا ہے کہ کتنے
مخلص ہیں وہ۔ یہ جو نعرے ہیں، تو خوب اچھی طرح واقف ہے۔
تُو دیکھ رہا ہے کہ بتیس برس سے ملک کے ساتھ کیا ہو رہا ہے،
اس ملک کی عطا تیری نعمت ہے۔ تو نے ہی اس کی حفاظت
کرنی ہے، ورنہ دشمن اس کو اپنا القمہ سمجھ کے کھا جائیں۔

اے دلوں کے پھیرنے والے خدا، اے رب العالمین،
 اے اللہ! آپ کے پیاروں کا دامن تھام کر آپ کی درگاہ عالی
 میں حاضر ہوئے ہیں۔ یا اللہ نظرِ کرم فرما۔ یا اللہ سب پر رحم و کرم
 فرما۔ یا غفور رحیم سچا توکل عطا فرما۔ دل کی سچائی عطا فرما۔ یا اللہ
 قلوب کے فاصلے مٹا۔ آپس میں محبت اور اخوت عطا فرما۔
 یا غفور الرحیم ہماری زبانوں کو ذکر سے جاری فرما۔ ہماری پریشانیوں
 کو دور فرما دے، ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرما دے۔
 یا اللہ ہمارے باطن کو اپنی خالص محبت سے بھر دے۔ یا غفور الرحیم
 اپنی عظمت سے ہمارے سینے لبریز کر دے، یا غفور الرحیم ہم سب
 کی پریشانیوں کو دور فرما دے۔ یا اللہ جو قلوب غم آلود ہیں ان پر
 کرم فرما دے۔ یا غفور الرحیم جو پریشانی میں مبتلا ہیں ان کی
 پریشانی کو دور فرما دے۔ یا اللہ جو مصائب سے دوچار ہیں ان کے
 مصائب کو دور فرما۔ یا اللہ تو خواہشیں پوری کرنے والا ہے تو اپنی نظرِ کرم
 فرما دے۔ یا غفور الرحیم فضا میں کیف و سرور ہے، آپ کے پیاروں
 کا دامن بھی ضرور ہے تھام کے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ یا اللہ
 ہم سب بہن بھائی اور سب بزرگ آپ کی درگاہ پر حاضر ہیں۔
 آپ نے کہا مانگو۔ ہم مانگتے ہیں۔ ہم پر انعام و کرم فرما، اپنے
 جیب پاک کا کرم فرما، اپنے پنجتن پاک کا کرم فرما، مولائے کائنات

کا کرم فرما۔ یا غفور الرحیم صدقہ سیدنا عوث اعظم کا کرم فرما۔
 یا غفور الرحیم صدقہ حضرت عزیز نواز ہندالوی کے در کا فرما۔
 یا اللہ سب اپنی اپنی خواہشیں لے کر آئے ہیں، یا غفور الرحیم
 سب کے دلوں کو جلانے والا تو ہے۔ اے بھیدوں کے مالک،
 اے وہ بھید جو چھپے ہوئے بھید ہیں، اے تو کہ تیرے سوا کوئی
 دلوں کے اندر جھانک نہیں سکتا نظر کرم فرما۔ یا اللہ ہمارے
 گناہ معاف فرما۔

یا اللہ یا رحمن و یا رحیم۔ یا اللہ یا رحمن و یا رحیم۔ یا اللہ یا رحمن
 و یا رحیم، رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ يَا خَيْرَ الرَّاحِمِينَ ،
 رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ يَا خَيْرَ الرَّاحِمِينَ ، رَبِّ اغْفِرْ
 وَاَرْحَمْ يَا خَيْرَ الرَّاحِمِينَ امین۔ امین۔ امین
 وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى خَيْرَ خَلْقِهِ

مدعا عرض کرنے کا یہ ہے کہ آپ کے مرشد پاک حضرت
 شاہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ قادری، صابری، نظامی، جن کے اسم
 مبارک سے آپ عارفی کہلاتے ہیں، اور وہ سلسلہ عارفیہ کے بانی
 ہیں۔ یہ تعلق جو میں مرشد کی نظر سے دیکھتا ہوں، اگر آپ واقعی
 عارفی ہیں تو میں آپ سے مخاطب ہوں، کیونکہ ہر عارفی کو مرشد
 پاک کے تعلق جلنے کی فکر ہوتی ہے، ایک جذبہ ہوتا ہے، ایک

وہ محبت کی تحریک ہوتی ہے کہ جس کی تڑپ کے تحت اس کی
نبض کی دھڑکن تیز ہوتی ہے۔ جس کے زور سے اس کے چھپے
ہوئے جذبات گرم اور وہ لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتے ہیں، حدت
اختیار کرتے ہیں۔

دو کشتیوں میں قدم رکھنے والا ہمیشہ خطرے سے دو چار رہتا
ہے۔ آپ میں سے بیشتر حضرات نے اپنے مرشد پاک کو دیکھا
نہیں ہے غالباً۔ بحیثیت ان کے گھر کے رکن کے مجھے یہ ضرور خیال
ہے کہ اگر ان کی آواز مبارک آپ کے کانوں میں پڑ جائے تو جسمانی
لحاظ سے نہیں تو کم از کم روحانی لحاظ سے ان کی آواز کی محسوسات
اور احساسات کی واردات، آپ کے قلب کو میں سمجھتا ہوں ضرور
ہونی چاہیے۔ اور یہ عارف کی ایک ابتدائی کڑی ہوتی ہے، کیا
آپ میں وہ جذبہ ہے؟



صحیح عقیدہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار“

۲۷ فروری ۱۹۹۶ء

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
اعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد،

عزیزانِ من! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ جو ان کو گالی دے گا اُس پہ خدا کی لعنت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو صحابہ رضاکے مرتبہ کو گھٹانے گا۔ خبردار! تم ان کے ساتھ نہ کھانا نہ نکاح کا سلسلہ کرنا نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنا۔ ایسے لوگوں پر

لعنت کرنا جائز ہے۔

عزیزانِ من!

ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ ضروری صحیح دینی علم حاصل کرے،
مُراد یہ ہے کہ کسی عالمِ حق سے علم حاصل کرے، تاکہ اُسے صحیح عقیدہ
معلوم ہو اور وہ اُس پہ عمل کر سکے۔ اگر کسی کو قبلہ کا رخ معلوم نہیں اور
وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھ رہا ہے، کیا اُس کی نماز ہوگی؟ اگر وہ
کسی گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے، کیا
اُس کی نماز قبول ہوگی یا اُس کے مُنہ پر ماردی جلے گی؟

بخششِ عمل پر ہے اور آپ کی نیت پر ہے، یعنی نیتِ خالی
اللہ کے لئے ہو، نہ کہ دُنیا کو دکھاوے کے لئے ہو۔ پھر عمل میں تقویٰ
ہو۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو سکے جس طرح اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا، اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہترین عمل ”اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ
لِلّٰهِ“ یعنی خدا کے لئے دوستی رکھنا اور خدا کے لئے دشمنی رکھنا۔ اس
سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کے دوستوں سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سے اور اُن کے پیاروں سے محبت کرنا اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی
رکھنا۔ جب دشمنوں کی صحبت میں آپ کی اولاد یا آپ خود جانے لگیں
گے، تو ایسے خوفناک حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز

دی ہوئی ہے، مگر گھر میں جہنم کی آگ جل رہی ہے۔ کیونکہ جب شادی بیاہ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو ہم عقیدہ ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو لڑائی جھگڑے، طلاقیں، مقدمہ بازیاں، مار پیٹ شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر اولاد پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔

اہل سنت والجماعت جو ہے اب اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔ وہ ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں، چاہے قبول ہو یا نہ ہو۔ دوسرے فرقے کے جو لوگ ہیں، ان کے پاس ذرائع وسائل اور تیز دماغ والے لوگ ہیں۔ وہ بد عقیدگی کا زہر بڑی تیزی سے پھیلا رہے ہیں۔ گلی گلی قرآن کا درس دیا جا رہا ہے، قرآن کے ترجمے بدل بدل کر۔ عام لوگ ہوتے ہیں، کوئی علم دین تو ہوتے نہیں جو لوگ دیں۔ لہذا جو لوگ ان کے درس میں بیٹھتے ہیں اور ایسی مجالس میں جاتے ہیں، وہ ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

جب کوئی حل نظر نہیں آتا تو ہم فیروں کے پاس انھیں آنا پڑتا ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ لڑکی کسی قادیانی سے شادی کرنا چاہتی ہے، کوئی شیعہ سے، کوئی کہتا ہے کہ میری بہن کے عقیدے کا پتہ نہیں تھا وہابی نکلی، کوئی کہتے ہیں کہ ہمارے لڑکے شیعوں کی مجالس میں جانے لگے ہیں، آپ کچھ کریں۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ اگر عدالت میں آپ دعویٰ دائر کریں اور اپنے دعوے کے کاغذ پراسٹمپ فیس نہ لگائیں،

تو کیا عدالت کیس منسے گی؟ وہ کیس خارج کر دے گی۔ تو پہلے اپنی اسٹمپ فیس تو لگا ئیے۔ اسٹمپ فیس سے مطلب کیا؟ عقیدہ صحیح رکھنا اور درست رکھنا، یہ ہے اسٹمپ فیس۔

ایک دن ایک صاحب بمع اپنی بیگم صاحبہ کے جو نئی روشنی کی ہیں، میرے پاس آئے، کہنے لگے: ”ایک مہینہ ہوا، کوئی بھی کام کرتے ہیں تو نقصان ہو جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ کی صحت بھی درست نہیں رہتی، میری بھی۔ اور ایک گھبراہٹ سی رہتی ہے۔“

سکوت کرنے کے بعد آنکھیں کھول کر میں نے ان سے پوچھا کہ ”اس ایک مہینے کے اندر آپ کسی فنکشن میں گئے ہیں، مذہبی یا غیر مذہبی؟“

کہنے لگے: ”یاد نہیں پڑتا، مگر ایک دوست دنوٹ فرمائیں دوست، قادیانی فیمیلی کا، ان کے ہاں کوئی مگر گیا تھا، میں گیا تھا۔“ میں نے پوچھا: ”آپ نے نماز جنازہ پڑھی؟“ بڑے آرام سے کہنے لگا: ”ہاں پڑھی! اس سے کیا ہوتا ہے۔ اور جو بعد میں فنکشن ہوئے، ان میں بھی شرکت کی دوستی کے تقاضے سے۔“

اس پر میں نے کہا: ”یہ اس دوستی کی سزا ہے، اس کو بھگتئے پھر میں نے کہا: اللہ کے دشمنوں سے لگاؤ رکھنا، ان سب چیزوں کو تو آپ جائز سمجھتے ہیں، اپنی مرضی اور اپنے حکم سے۔ بعض دفعہ دنیا میں پکڑ

ہو جاتی ہے بعض دفعہ آخرت میں۔ آپ کی یہیں پکڑ ہو گئی؛

پھر میں نے کہا کہ ”ماں باپ کے کتنے حقوق ہیں۔ اگر وہ کافر بھی ہیں ان کا حکم مانیں اور خدمت کریں۔ جب تک کہ وہ آپ کو دین کے خلاف کوئی حکم نہ دیں؛“ یہاں جو ماں باپ یا اولاد بیٹھے ہوئے ہیں یہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ میں نے ان کو کہا کہ ”کل کو آپ کا کوئی شیعہ دوست مر گیا تو اس کی بھی ساری رسمیں پوری کریں گے اور اپنی اولاد اور گھر والوں کو بھی کہیں گے کہ وہ بھی ان کا ساتھ دیں، اس طرح ان کا بھی بیڑہ غرق کریں؛“

اگر ماں باپ دین کے معاملے میں غلط حکم دیں تو اولاد کی نافرمانی جائز ہے۔ اسی طرح بیٹے، بیٹی اگر غیر مذہب کی شادی کے لئے دباؤ ڈالیں تو وہ سختی سے انکار کریں اور سختی سے سرزنش کریں۔ آج غیروں میں آپ جائیں تو ایک ہی گھر میں وہابی ملے گا، شیعہ ملے گا، بوہری ملے گا، قادیانی ملے گا، تو پھر مسلمان پر خدا کا عذاب پڑتا رہے گا یا نہیں؛ حدیث شریف میں ہے کہ ”ماں باپ جو اولاد کو بہترین تحفہ دیتے ہیں وہ اچھی تربیت ہے؛“

ماں باپ اچھی طرح جان لیں کہ اگر شرعی تربیت نہ دینے کی وجہ سے ان کی اولاد گناہ کرتی ہے تو ماں باپ مر بھی گئے اس گناہ کی سزا میں ان کا بھی حصہ ہے اور اگر اچھی تربیت دی تو ان کی نیکیوں

میں ماں باپ کو اُس جہان میں بھی حصہ ملے گا۔
 وہ صاحب کہنے لگے: ”دوستی کی وجہ سے جانا پڑا، یعنی قاریانی
 کی دوستی کا اتنا خیال اور اللہ کے غذاب سے ڈر نہیں، اور اس کی
 کھلم کھلا حکم عدولی کر کے وہ خود بھی گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور
 جو لوگ اُن کو دیکھ کر اس گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ بھی۔
 چند روزہ زندگی ملی انسان کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں
 نے انسان اور جن کو پیدا ہی صرف اپنی عبادت کے لئے کیا“ اور
 پھر فرمایا: ”اللہ نے موت اور حیات اس دنیا میں اس لئے پیدا
 کیں کہ وہ دیکھے کہ تم میں سے کون نیک عمل کرتا ہے“
 یہ باتیں اس لئے واضح کر دیں کہ ہم سے مختلف سوال کئے جاتے
 ہیں، اس لئے میں نے یہاں جواب دیئے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں
 کہا۔ جو اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور اہل سنت و الجماعت
 کے پیرو ہیں، ان کی فقہ کے احکام ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

(اور ہمارے ذمہ پہنچا دینا فرض تھا)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
 وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



درس

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل سرکار“

۹ فروری ۱۹۹۵ء

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَحْمَدًا وَنُصَلِّيَ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدًا وَنُصَلِّيَ عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
أَمَّا بَعْدُ!
عزیزان من!

میں ایک نہایت ہی اہم مسئلہ پر آپ سے مخاطب ہوں، اور
بڑے دکھ کے ساتھ۔ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں
کو راہ ہدایت دکھائی، ان کے وسیلے سے کلام پاک عطا ہوا۔ آپ
کے وصال مبارک کے بعد احادیث شریف محفوظ ہوئیں۔ آپ کی سنت
کے بارے میں تفصیل موجود ہے۔ لیکن جب دین اسلام کی تبلیغ شروع
ہوئی تو یہودی، عیسائی، آتش پرست، کفار، مشرک، ہندو کے دلوں

میں دشمنی بڑھ گئی۔ کیونکہ مسلمان ایک سیلاب کی طرح ساری دُنیا میں پھیلتے جا رہے تھے، وہ ایسا سیلاب بن گیا کہ اُسے کوئی روک نہ سکا، دُنیا کا کوئی کونہ نہ رہا جہاں اسلام نہ پھیلا۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ تلوار کے ساتھ تو مقابلہ ممکن نہیں، تو پھر انہوں نے منافقت کی چالیں شروع کیں، مسلمانوں کے اندر فرقے پیدا کرنے کی کوششیں کیں، لڑائیاں کرانے کی کوششیں کیں، غلط فہمیاں پیدا کیں۔ انہوں نے ریسرچ کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک مسلمانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن ہے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں شکست نہیں دے سکتی۔

اُس وقت بھی صحیح مسلمانوں کی تعداد اتنی نہ تھی، کلمہ گو مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے تھے۔ جیسا موقع دیکھتے تھے، اپنی روش بدل دیتے، مفاد پرستی ان کا دین تھا اور مسلمانوں کو تہس نہس کرنا اور دین اسلام کو مٹانا ان کا مقصد تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی ساری قوت اس پر صرف کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دی جائے۔ جب یہ ہوگا تو پھر قرآن کریم کی عظمت اور احادیث شریف کی عظمت ختم ہو جائے گی۔ جب یہ ختم ہوگی تو پھر اللہ تعالیٰ کو کون یاد کرے گا؟ کون پہچانے گا۔ یوں اس پلان پر انہوں نے عمل شروع کیا اور وہ عمل آج

تک جاری و ساری ہے۔

آج آپ جائیں، چالیس مُسلم ممالک ہیں، وہاں مسلمان تو ملنا مشکل ہے، ہاں کلمہ گو مل جائیں گے۔ دین اسلام کا نام کہیں نہیں۔ مساجد موجود ہیں، اندر جائیں تو جو نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی فسری اسٹائل میں پڑھ رہے ہیں۔ کسی کے سر پر ٹوپی نہیں، کوئی جینز پہنے ہوئے ہے۔ کسی کے کچھ کسی کے کچھ۔ ایک عجیب منظر ہے، جیسے ایک چڑیا گھر ہے، جس میں جانور اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کوئی ادب نہیں، کوئی تمیز نہیں۔

اب صورتِ حال یہ ہوئی کہ سعودی عرب میں وہابیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ترکی کے اندر سلطان عبدالحمید جو آخری بادشاہ تھا، جسے خلیفہ کہا جاتا تھا، اُسے شکست ہوئی اور وہ معزول ہوا۔ اتاترک نے جگہ لی، اتاترک ایک بے دین آدمی تھا، سیکولر اور بے دین انسان تھا۔ اُس نے کہا کہ نماز بھی ترکی زبان میں پڑھو۔ اور بہت سی بُری باتیں ہیں جن کے بُرے اثرات ترکی میں نظر آتے ہیں لیکن

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آج وہاں بھی اجیاء دین کی تحریکیں ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ جس ملک میں کوئی اسلام کا نام لیتا ہے، اس ملک کے حاکم یا مسلمان جو

ہیں وہ عیسائیوں کا راگ الاپتے ہیں۔ عیسائی ان کو Fundamentalist (بنیاد پرست) کہتے ہیں۔ Militant (جنگ جو) کہتے ہیں۔ لیکن اب تو یہ بھی ان کو Fundamentalist اور Militant کہتے ہیں۔ ان کو گولیاں مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ وہاں بھی آچکی ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جی Religion (مذہب) میں Terrorism (دہشت گردی) ہے Religion میں کہاں ہے۔ Terrorism تو سیاست میں ہے، جو سرمایہ خباثت ہے۔ سرمایہ کشافت ہے۔ سرمایہ غلامت ہے۔

چنانچہ یہ ہوا کہ سعودی عرب نے تجوریاں کھولیں، خوب پیسے دوسرے ملکوں میں بھیجے۔ انڈیا میں بھی پاکستان میں بھی، جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں بھی وہاں سے وہابی علماء کو بلا یا گیا، اور یہاں ان کو عہدے دیئے گئے، لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور یہ بڑے طریقے سے چلتے ہیں۔ اب یہ زور پکڑ گئے ہیں، یہ تو زور پکڑتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے عام مسلمان جو ہیں، وہ اپنے دین سے نابلد ہیں پہلے ماں باپ جو تھے وہ بچوں کو مکتب بھیجتے تھے۔ وہ حضرت شیخ سعودی رحمۃ اللہ علیہ کی گلستان بوستان پڑھتے تھے، کلام پاک پڑھتے کچھ حدیث پڑھتے تھے، یوں ان کی ایک بنیاد پڑ جاتی تھی۔

اب ماں باپ کلب جاتے ہیں، جو کلب جانے والے نہیں
 وہ رشتے داروں کے گھر میں گھسے رہتے ہیں۔ دعوتیں ہو رہی ہیں۔
 ہی ہا ہو ہا کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں۔ پھر یہ ویڈیو آگیا، ایسی ایسی
 ترکیبیں چلائیں کہ سارا گھر بیٹھے فلمیں دیکھ رہا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسی
 ویڈیو کے ذریعے فحش فلمیں آنی شروع ہو گئیں۔ گھروں میں بچوں نے
 کمرے بند کر کے وہی فلمیں دیکھنا شروع کیں، یوں مسلمانوں کے
 بنیاد کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔

یہ تبلیغی جماعت میرے سامنے قائم ہوئی، مولانا الیاس اس
 کے بانی تھے۔ جماعت اسلامی میرے سامنے قائم ہوئی۔ ابوالاعلیٰ
 مودودی اس کے بانی تھے۔ ان کے جواکابرین تھے میں ان سے
 واقف تھا۔ میں یہاں ایک بات کہہ دوں کہ میں جب طالب علم
 تھا تو میں کٹریو بنی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بریلوی مسلک کی
 کوئی کتابیں نہیں تھیں۔ اگر تھیں تو کسی کو پتہ ہی نہیں تھا۔ لیکن
 ایک بات ضرور تھی کہ جو بنیاد ہے، جو اصلی چیز ہے وہ ہمارے
 دلوں کے اندر ہمارے ماں باپ نے ٹھیک طرح سے ڈال دی تھی،
 وہ بنیاد کیا ہے؟

وہ یہ کہ کیسے ہی بڑے عالم کی کتاب ہو، یا کتنے ہی عزیز رشتے دار
 ہوں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ کافر

ہے، خبردار جو اس کے ساتھ لگو۔ اس سانپ سے بچو، اسے اگر مار نہیں سکتے تو اپنے آپ کو اس سے بچاؤ۔

ایک کتاب میری نظر سے گزری۔ اس میں جو میں نے ایک جملہ پڑھا، لرزا دینے والا تھا۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو عالم کہلاتا تھا کئی سو کتابیں لکھیں۔ پورے ہندوستان میں ڈنکانج رہا ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا گستاخانہ جملہ لکھا تھا کہ میں لرز کے رہ گیا۔ میں نے وہ کتاب پھینک دی۔ یہ وہ دن تھے جب میں ریسرچ کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کے کتابیں خریدتا تھا۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہابی، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت یہ تو ہیں دیوبندی، لیکن دیوبندی بذات خود، اور اہلسنت والجماعت میں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں، ان میں بھی بے شمار کٹروہابی ہیں۔ لیبل دوسرا ہے۔

عزیزانِ من! اگر وہسکی بھری بے کسی بوتل میں اور ہمدرد و دواخانہ کا لیبل لگا دو شربتِ روح افزا کا تو کیا وہ روح افزا بن جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ تو بس لیبل لگا ہو ادیوبند کا۔

ان لوگوں کی ایک طاقت تھی اور اب بھی ہے۔ ان لوگوں کا ایک سسٹم ہے کام کرنے کا، جو کہ بریلویوں میں نہیں ہے۔ معاف کیجئے گا عقیدہ ان کا صحیح ہے، اعمال ان کے وہی ہیں۔ پیسے کے پیچھے دوڑنا

مفاد پرستی، ساری چیزیں کوٹ کوٹ کے بھری ہیں۔ یعنی ان میں بھی ہر ایک کی قیمت موجود ہے۔ خریدے جاسکتے ہیں آرام سے اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ لہذا احترام ہمیں عقیدہ کا ہے۔ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں، کسی کی ذات کو نہیں پوجتے۔

آپ دیکھیں، یہ تبلیغی جماعت والے جو ہیں، ان کو پہلے کپڑے پہننے نہیں آتے تھے، اتنے میلے کپڑے ہوتے تھے، بدھو، جاہل۔ ہوتے ہوتے آہستہ آہستہ یہ پڑھے لکھوں میں گھس گئے۔ آج جناب رائے ونڈ میں جو اجتماع ہوتا ہے، اس میں سات آٹھ لاکھ آدمی آتے ہیں، آج صدر بھی وہاں جاتے ہیں۔ وزیر اعظم بھی جاتے ہیں۔ بہر حال یہ اس جماعت کی اپنی محنت ہے۔

جماعت اسلامی کو کوئی پوچھتا نہیں تھا۔ مولانا مودودی کو فتوے بھی لگے ہیں۔ لوگ نفرت سے دیکھتے تھے۔ چلتے چلتے یہ بھی پہنچ گئے، ایک شخص غلام احمد پر وزیر تھا۔ اس نے دین کی بنیادیں اکھاڑ دیں۔ مولانا مودودی نے ٹکری، لیکن وہ چل نہیں سکا۔ وہ (پر وزیر) طلوع اسلام نکالتا تھا۔ اس نے ایسی خوف ناک کتابیں لکھیں کہ اگر کسی کے پاس دین کا علم نہ ہو تو وہ ان واحد میں گمراہ ہو جائے۔

پھر قادیانیوں نے اپنے شوٹے چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک فرقہ ہے وہ اپنے آپ کو لاہوری کہلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو

(نعوذ باللہ من ذالک) نبی نہیں کہتے، ہم تو امام کہتے ہیں۔ آپ نے سنا ہم تو امام کہتے ہیں۔ اسے تم کہتے ہو امام، وہ کتابے میں نبی ہوں۔ تم تو قادیانیوں سے بھی بدتر ہو، وہ نبی کہتا ہے اور تم اسے امام کہہ کے مانتے ہو۔ قادیانی نبی کہہ کے مانتے ہیں۔ یہ بھی دین میں گھسے ہوئے ہیں۔ پھر شیعہ بھی بیچ میں گھس گئے ہیں۔ اب ایک برادری ہے، اس میں شیعہ بھی ہیں، قادیانی بھی ہیں، وہابی بھی ہیں، پرویزی فرقے کے بھی ہیں۔ یہ سارے اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ مذہب کو بالائے طاق رکھ دیا۔

اہل و الجماعت تو سنت کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں جی ہم تو Broad-Minded (فراخ دل) ہیں۔ یہ شادی بیاہ ہوتے رہتے ہیں۔ آخر خون ہے، ہم کدھر جائیں، لہذا قادیانی ڈھونڈ لیا، شیعہ گھس گیا۔ وہابی کو لیا، پرویزیوں میں کیا۔ ایک کچھرا بن گیا۔ جو تھوڑا بہت ایمان تھا عقیدہ تھا، اس کا بھی ستیاناس ہو گیا، بلکہ میں تو کہوں گا سوا ستیاناس ہوا۔

آج اس وقت کسی کو صحیح بات بتانا بہت مشکل کام ہو چکا ہے۔ میں اس وقت خطاب اس لئے کر رہا ہوں کہ ان کی Latest (تازہ ترین) پلان یہ ہے کہ گلی گلی، کوچے کوچے میں عورتیں جو ہیں وہ درس دیں۔ یاد رکھو، کسی گھر کو قابو کرنا ہو، تو اس گھر کی عورت کو قابو کر لو،

خاوند، بچے سب قابو ہو جاتے ہیں۔ دیکھ لیں ان کی ترکیب، جس کی وجہ سے درس اتنی تیزی سے جاری ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس پیسہ بہت ہے، فنڈز بہت ہیں۔

بریلوی فرقے کے لوگوں نے قلمی جہاد کیا، کتابیں بہت لکھیں، اب بھی لکھی جا رہی ہیں۔ ان کے دارالعلوم بھی ہیں، سب کچھ ہیں لیکن وہ کچھ طاقت حاصل نہ کر سکے۔ ان کی کوئی Say (با اختیار آواز یا نمائندگی) نہیں۔

یاد رکھو! طاقت جب ہوتی ہے جب عوام مانیں، یا عوام اگر نہ مانے تو حکومت آپ کو مانے۔ نہ ان کو حکومت مانتی ہے نہ عوام مانتی ہے۔ بہر حال ان کو نفرت سے دیکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جی، یہ تو مشرک ہیں، صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں، یہ شرک کرتے ہیں۔ اب میں اگر آپ سے عالمانہ تقریر کروں، عالمانہ نکتہ بتاؤں، کتابوں کے حوالے دوں۔ جو بھی چاہے، میری قلندرہ سے کتابوں کے نام لے لے۔ موجود ہیں۔ وہ خرید کے خود پڑھ لیں۔ جماعتِ اسلامی کے بارے میں، تبلیغی جماعت کے بارے میں، وہابیوں کے بارے میں، دیوبندیوں کے بارے میں، پرویز یوں کے بارے میں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اب یہ لاکھوں آدمی جو ان کے ساتھ لگ گئے ہیں، یہ تو کل کہیں گے۔ ”اے اللہ تعالیٰ! ہمیں تو معلوم نہیں تھا، ہم تو ان کو نیک آدمی سمجھتے

تھے، "نہیں یہ عذر قبول نہیں ہوگا۔"

ایک شخص قتل کر دیتا ہے۔ حج اس کو بچانسی کی سزا سناتا ہے۔ وہ بڑی معصومیت سے کہتا ہے۔

"حضور، خدا کی قسم، مجھے اگر معلوم ہوتا کہ اس کی سزا بچانسی

ہے۔ میں ہرگز قتل نہ کرتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں

قسم کھاتا ہوں، میں آئندہ کبھی قتل نہیں کروں گا۔"

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا حج معاف کر دے گا؟ وہ

کہے گا نہیں، Ignorance of law is no excuse (قانون

سے عدم واقفیت کوئی عذر نہیں) کہ تم قانون نہیں جانتے، اگر

نہیں جانتے تو واقف ہو جاؤ، تمہیں قانون کو جاننا چاہیے تھا، تمہارا

قصور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ جب کہے گا، تو اللہ تعالیٰ یہ بھی تو

کہے گا کہ اپنی اولاد کے پالنے میں، کپڑے کے خریدنے میں، جائیداد

بنانے میں ہر بڑے کام کے اندر تو نے ٹکریں ماریں، لیکن میری راہ

کے لئے تو غافل رہا۔ میں نے کہا بھی کہ میری راہ میں کوشش کرو، مجھ

تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔ تم نے کوئی وسیلہ ڈھونڈا؟ کوئی

پیر و مرشد ڈھونڈا؟ میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ

کو پڑھا؟ ان کا مقام سمجھا؟ یا تو خالی ٹکریں مارتا رہا؟ اٹھک بیٹھک

کرتا رہا؟

جو عبادتِ محبت سے خالی اور عقیدہ سے خالی ہو، وہ کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

عزیزانِ من! اللہ تعالیٰ پاک صاف ہے۔ اس نے کہا کہ میں پاکیزہ چیزیں قبول کرتا ہوں۔

جہاں عقیدہ نہیں، وہاں عبادت میلی ہو جاتی ہے۔ نامقبول کا ذکر بھی نامقبول۔ مقبول کا ذکر بھی مقبول۔ میں ایک مثال دیتا ہوں کہ دو دودھ کے پیالے سامنے رکھے ہیں۔ ایک دودھ کے پیالے میں ایک قطرہ پیشاب ڈال دیا گیا، کیا آپ پئیں گے؟ حالانکہ دونوں پیالوں میں دودھ کارنگ ایک ہی ہے۔ بو میں بھی کوئی فرق نہیں۔ آپ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے پینا تو درکنار۔ تو جس نے یہ دیکھا کہ اس میں پیشاب کی بوند پڑی ہے، رنگ وغیرہ سب کچھ ویسے ہی ہے۔ وہ کیسے ادھر جائے گا، جس نے نہیں دیکھا وہ پئے گا پلید چیز۔

بعینہ جس کو عقیدہ کی اہمیت معلوم ہو وہ کتنی ہی تقریریں کریں، کتنی ہی یہ سب کچھ کریں، وہ کبھی بھی ادھر نہیں جائے گا۔ کتنی ہی داڑھی رکھ لیں، کتنی ہی قرآن کی تفسیریں وغیرہ ہوں، وہ جانتا ہے کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں۔ اس دودھ کے پیالے میں پیشاب کی بوند پڑی ہوئی ہے۔

لہذا جھکڑا کرنا یا فتنہ فساد کرنا، یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اچھی چیز یہ ہے کہ آپ اس سے بچیں۔ اگر آپ میں طاقت ہے تو پھر اس کو کچلیں، طاقت نہیں تو شرمٹ پھیلائیں۔ کیونکہ یہ کام حکومت کا ہے۔ احکامات کا نفوذ حکومت کا کام ہے۔ آپ کا نہیں۔ یا علماء کا کام ہے کہ فتویٰ دیں۔ اب وہ علماء چلیں گے۔ آپ یہ اور ہم یہ مولوی جلدی فتوے دیتا ہے۔ اور بڑے بڑے کام ہو جے ہیں یہ مولوی چٹپ، اس لئے کہ پردے کے پیچھے مولانا بھی وہی کام کر رہے ہیں۔

جب ان کا انتقال ہوتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ ایک بیوی لیڈی ڈاکٹر بھی تھیں۔ یا زندگی میں پتہ چلے گا کہ چار ہیں، مگر ایک عیسائی ہے، مسلمان ہو گئی۔ اس کو کیا مسلمان ہونا، جو صرف شادی کی خاطر مسلمان ہو، اس نے کیا مسلمان ہونا۔

تو عزیزانِ من! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سُنو۔ میں کتابوں وغیرہ کے حوالے نہیں دوں گا۔ وہ چیزیں آپ کے مغز میں آئیں گی نہیں، میں سیدھی بات کروں گا۔ دو جمع دو برابر چار۔ دو جمع دو برابر تین نہیں، دو جمع دو برابر پانچ نہیں۔

ریاضی کی بات ہے۔ اصلی اور حقیقی بات، منطقی،
یہ درس جو دیتے ہیں، کبھی آپ نے یہ بھی سنا کہ درس ختم
کرنے کے بعد انہوں نے درود پڑھا ہو۔ یا صلوٰۃ و سلام پڑھا ہو آپ
کہہ کے دیکھیں، آپ کا سر پھوڑ دیں گے۔

اب میں آتا ہوں دوسری طرف، آپ قرآن پاک کی طرف آئیں
اللہ جل شانہ نے اگر کسی وظیفہ کا حکم دیا ہے اور کوئی وظیفہ خود پڑھا
ہے (یا اس کا ذکر ہے) وہ کیا ہے؟ وہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
أَمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر
درود بھیجتے ہیں، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی
نبی کریم پر درود و سلام بھیجو، جس طرح کہ حق ہے۔ یعنی
محبت کے ساتھ۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی عزیزان من!
نماز کا رکن کتنا اہم ہے، یہ کہاں عطا ہوا؟
معراج شریف میں۔

کیسے عطا ہوا؟

یہ تحفہ ملا حضور صلی اللہ علیہ وسلم!

کس کے لئے؟

اُن کی اُمت کے لئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر معراج عطا ہوئی تو وہ ایک معراج مومنوں کے لئے بھی لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے مومنین جو ہیں ان کے لئے بھی معراج ہے۔ وہ جب چاہیں مجھ سے ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ اور وہ معراج ہے نماز، جو طریقے اور سلیقے سے پڑھیں۔ تو یہ نماز جو فرض ہے، اس میں جب تم سلام دیتے ہو تو سلام سے پہلے درود شریف پڑھنا لازم ہے اور اس میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی درود نہیں، بلکہ ان کی آل پر بھی بھیجتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی عظمت بھی آپ کو بتادی ہے اور تشہد کے اندر آپ سلام بھیجتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر، یعنی نماز میں جب تک سلام اور درود نہ پڑھا جائے نماز نہیں ہوتی۔

اور پھر درود کا وظیفہ ایسا ہے جس کا بدل کسی اور وظیفہ میں نہیں، اس میں سب کچھ ہے۔ ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ذکر اللہ بھی ہے اور بلندی درجات بھی ہے۔ اس کے پڑھنے سے دس گناہ معاف ہو جاتے ہیں، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور جو پھر درود پڑھنے والا ہے وہ قیامت والے دن حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب ہوگا۔ جو جتنا زیادہ درود پڑھے گا وہ اتنا ہی مغفرت کا حقدار ہو جائے گا، شفقت کا حقدار ہو جائے گا۔ تو عزیزانِ من! یہ ان پر خدا کی مار ہے۔ اگر لوگوں میں سمجھ ہو تو وہ اسی وقت ان کو پکڑ لیں اور کہیں۔ پڑھو درود و سلام۔ اگر یہ نہ کریں تو ان کی ٹھکانی کریں کہ اللہ یہ فرماتا ہے اور نماز میں یہ ہے۔ تم کون لوگ ہو، تم کون غدار ہو اسلام کے جو تخریب کاری چکے چکے کر رہے ہو۔ امتِ مسلمہ پہلے ذلیل ہو چکی ہے، تباہ ہو چکی ہے۔ اوبد، بختو! او دشمنانِ اسلام تمہارا تو نام و نشان تک مٹا دینا چاہیے۔

لوگ درسِ قرآن جا کے سنتے ہیں۔ تم میں کون ہے جو عربی دان ہے تم میں کون ہے جو صحیح ترجمہ سمجھتا ہے۔ تم میں کون ہے جو صحیح تفسیر سمجھتا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو اپنا دین جان بوجھ کر کیوں خطرے میں ڈالتے ہو۔

کسی کی بیٹی بھاگ جاتی ہے وہ روتا ہوا آتا ہے میری قلندرہ کے پاس کہ ہماری عزت کا سوال ہے کسی کا نقصان ہو جاتا ہے تو کہتا ہے ہماری عزت کا سوال ہے، ہم نے قرضہ اتارنا ہے، پیسہ نہیں ہے، سب باتوں میں۔ دنیا کی باتوں میں، جس کو فنا ہے بقا نہیں انسان کا ذرا بھی زیاں (نقصان) ہوتا ہے تو وہ روتا ہے، چیخیں مارتا ہے۔ صد افسوس ہے اے انسان۔ حسرت ہے تجھ پر۔ ہائے ہاتھ، ہائے ہاتھ

کہ تیرا دین لٹا جا رہا ہے۔ تیرا نورِ ایمان لٹا جا رہا ہے۔ تیرے سینے میں
 شمع رسالت بجھانی جا رہی ہے۔ تیرے دل کو سیاہ کیا جا رہا ہے۔ تو
 نفسِ شیطان کا بندہ و غلام ہو جاتا ہے۔ مگر تجھے احساس نہیں ہوتا۔
 یہ اس لئے کہ تجھے آخرت کا خوف نہیں اور آخرت کا خوف اُسے ہی
 نہیں ہوتا جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ پر یقینِ کامل نہ ہو اور حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور ان کے پیغام پر یقینِ کامل نہ ہو
 عزیزان من!

میں نے نسخہ بتا دیا ہے۔ بس ان سے کہو کہ اب کھڑے ہو،
 صلوٰۃ و سلام پڑھو، کلامِ پاک تو سن لیا۔ ان کی حقیقت تمہارے
 سامنے آ جائے گی۔ لٹھ لے کے آ جائیں گے یا ہاتھ باندھ کے بھاگ
 جائیں گے۔ اگر دیکھیں گے کہ آپ زبردست ہیں تو پھر بتائیں گے
 سیٹھی سیٹھی اور بھاگنے کی کریں گے۔

تو میری درخواست ہے، لڑائی جھگڑے کے لئے نہیں، بلکہ
 اپنا دین بچانے کی فکر کرو۔ جس طرح تمہاری بہو بیٹی کی عزت ہے اسی
 طرح تمہارے دین کی بھی عزت ہے، ایک عصمت ہے، ایک لباس
 ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دنیاوی لباس کی کوئی اہمیت
 نہیں سمجھی۔ اگر اہمیت کلامِ پاک میں بتائی ہے تو وہ تقوے کے لباس
 کی ہے۔ پرہیزگاری کے لباس کی ہے اور یہ ایک ہی معیار ہے۔ اللہ

نبارک و تعالیٰ نے فرمایا دیا۔

”میرے نزدیک جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے،
تقوے والا ہے، وہی بزرگ ہے۔ ذات پات کوئی چیز
نہیں، یہ تو پہچان کے لئے ہے۔“

تو عزیزانِ من یہ جو درس ہیں، ان سے بچو۔ اب ہر جگہ تبلیغ ہو رہی
ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”ایک وقت آئے گا کہ
مولانے جو ہیں وہ اس طرح نکلیں گے جس طرح کیڑے مکوڑے
نکلتے ہیں اور تم ان کی داڑھیاں، ان کی نمازیں اور ان کی عبادتیں
جب دیکھو گے تو تم اپنی عبادت کو بیچ سمجھو گے، کم تر سمجھو گے۔ اور
تم اپنے آپ کو ان سے کم تر سمجھو گے، شرمندہ ہو گے“ لیکن...
اب سنا نکتے کی بات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،
”لیکن قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا“

بس یہ ہے نکتے کی بات۔ اب تم ان سے پرہیز کرو۔ میں نے
بات آپ تک پہنچادی۔ آپ اپنے گھروں کے ذمہ دار ہیں، اپنے
بچوں کے ذمہ دار ہیں۔ دین کے معاملے میں سختی کر سکتے ہیں، اجازت
ہے۔ حتیٰ کہ چھوٹا بچہ آٹھ دس سال کا اگر نماز نہ پڑھے تو اس کی
تھوڑی بہت ٹھکانی بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر اسکول میں دیر
ہو جاتی ہے تو آپ ہڈیاں توڑ دیتے ہیں۔ دین کے معاملے میں صفر

ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ ہم چُپ ہو جاتے ہیں۔ یہ شرم کا مقام ہے۔
 ایک طرف تو ہم لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَذَرَسُولَ اللَّهِ (صلی اللہ
 علیہ وسلم) کہتے ہیں اور دوسری طرف ہم شیطان کا بندہ بنتے ہیں۔
 علامہ اقبالؒ نے فرمایا

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ الا اللہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

اور

تیری نماز ہے بے سرور، تیرا امام ہے بے حضور
 ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

اور

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 خور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

عزیزانِ من! دولت کوئی چیز نہیں، ایمان سب کچھ ہے، اسی
 واسطے علامہ اقبالؒ نے یہ بھی فرمایا

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
 خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

پھر فرماتے ہیں

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
 تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من!
 بس میرا فرض تھا آپ تک پہنچا دینا۔ اب آپ پر ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ
 سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
 وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلُّوا عَلَيْهِ

یا رب صل وسلو دائماً ابداً
 علی حبیبک خیر الخلق کلهم



ذکر۔ اسراف وغیرہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل سرکار“

۳۱ مارچ ۱۹۹۳ء

نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اما بعد!

عزیزان من!

ذرا غور سے سننا یہ واقعہ۔ حضرت ابو علی شاہ قلندر رحمت اللہ علیہ
ایک کامل بزرگ تھے۔ ایک دن جب آپ طوائف کے کوٹھے کے نیچے
بیٹھے ہوئے تھے تو وہاں سے ایک درویش کا گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا
کہ میاں صاحب، آپ کیا شغل فرماتے ہیں ادھی رات کو۔ آپ نے فرمایا
کل ہمارے لئے کپڑے کا ایک جوڑا لے کے آنا، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے
اور پھر آپ کو بتائیں گے کہ ہمارا شغل کیا ہے۔ درویش بڑے حیران ہوئے

اور حسب ارشاد دوسرے دن جوڑا لائے۔ حضرت ابو علی شاہ قلندر رحمت اللہ انہیں اپنے ساتھ مسجد میں لے گئے۔ وہاں آپ نے غسل کیا، میلے کپڑے اتارے نیا جوڑا پہنا، پھر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ فرمایا، آپ بھی ”نفی اثبات“ کرتے ہیں۔ ہم بھی بے گھرو بے درہیں بے نوا ہیں، مگر اس کے در کے گدا ہیں، آج ہمارا بھی ”نفی اثبات“ دیکھو۔ یہ کہہ کر آپ نے جو سانس بند کی اور ”لا“ نکالی تو ہر چیز غائب ہو گئی۔ یعنی جب ”لا“ نکالی تو کوئی چیز نہیں رہی، لیکن آپ خود اسی حالت میں رہے۔ پھر کچھ استغراق کیا، اور پھر جو دوبارہ کہا ”إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ“ تو ہر چیز پہلے کی طرح موجود ہو گئی۔

عرض آپ اسی طرح ذکر کرتے رہے۔ جب شغل ختم ہوا تو اس درویش نے عرض کی کہ حضرت، آپ کا یہ مقام اور کوٹھا طوائف کا، اس کے نیچے آپ پڑے ہوتے ہیں اس حالت میں؟ حضرت ابو علی شاہ قلندر رحمت اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں، ہم پر بڑی مہربانی ہے سرکار کی۔ ہمارا نام عاشقوں میں ہے۔ بڑی مہربانی ہے۔ وہ پتھر مارتی ہے لیکن ہم دم نہیں مار سکتے۔ اب رہا نماز روزے کا معاملہ، وہ آگے جا کے ساتھ دے گا۔ آپ آئے ہیں، جوڑا ساتھ لائے ہیں، کر لیں گے۔ اس وقت تو اپنی ڈیوٹی پر جا رہے ہیں۔

عزیزانِ من! عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ کسی پہ اعتراض نہ کرنا، اگر شریعت نظر آئی تو سبحان اللہ۔ نہ آئے، تو پھر اپنے آپ کو خطا وار جاننا کہ کوئی راز ہے جو ہم نہیں جانتے۔ لیکن اس کی تقلید یا پیروی ہم سے نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ ہم محمدی ہیں۔ تو اصل چیز ذکر ہے۔ اور اگر یہ اصل نہ ہوتی، تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: "اقیم الصلوٰۃ لَذِکْر" یعنی قائم کر نماز میرے ذکر کے ساتھ۔ سمجھو کی بات ہے۔

عزیزانِ من! نمازیں دو ہیں۔ ایک وقتی اور ایک دائمی۔ وقتی یہ ہے جو تم پڑھتے ہو۔ دائمی وہ ہے جو اس فقیر کی طرف سے اور رابعہ کے توسط سے آپ سب کو عطا ہے۔ آپ سوتے ہوتے ہوتے ہیں تو بھی اگر کسی کے پاس سماعتِ باطنی ہے، تو وہ سن سکتا ہے اللہ اللہ اللہ۔ فرمایا: قائم کر نماز میرے ذکر سے۔ پھر فرمایا: میں کہیں نہیں سناؤں، مگر مومن کے دل میں؛ کیوں؟ اس لئے کہ وہاں خود کو سنتا ہے۔ مومن کے دل میں آواز کس کی آتی ہے۔ کون بولتا ہے اور کون سنتا ہے؟ اس لئے کہا گیا کہ

کعبہ تعمیرِ خلیل است دل گذر گاہِ ربِ جلیل است
از ہزار کعبہ بیک دل بہتر است دل بدست آور کہ حج اکبر است

(یعنی: کعبہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا، لیکن دل اللہ تعالیٰ کی گزر گاہ ہے۔ ہزار کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔ اس لئے کہ ایک دل کو جتنا حج اکبر کے برابر ہے)

عزیزانِ من! دلوں کو جیتو۔ نفلوں پر اتنا زور نہ دو۔ اگر دن میں کسی ایک کا بھی دل جیت لیا اور وہ خوش ہوا، تو ایسا ہی ہے جیسے میں آپ کے بیٹے کے دل کو خوش کروں، آپ اپنے بیٹے کو دیکھیں اور میری تلاش شروع کر دیں کہ وہ کون شخص

تھا جس نے میرے بیٹے کا دل خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ مخلوق میری اعیال ہے، مجھے بڑی پیاری ہے۔ اور فرمایا، ایمان لانے کے بعد سب سے بہتر عمل مخلوق کی خدمت ہے۔

میں آج آپ کا گیسٹ یعنی مہمان ہوں۔ آپ مراقبہ اسی طرح کندھکٹ کریں۔ رابعہ قلندرہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت مرتبہ دیدی ہے۔ میں اسی لئے نہیں کہتا کہ حسد جو ہے وہ انسان میں بہت جلد آتا ہے۔

عزیزانِ من! اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں انسان کے جسم میں رکھی ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کی ضد اور پڑوسن ہیں۔ دل اپنے لئے اور نفس شیطان کے لئے۔ ایک کا دروازہ دنیا میں کھلتا ہے۔ دوسرے کا یعنی دل کا اللہ کی طرف کھلتا ہے۔ یہ آپ پر ہے کہ آپ کس طرف جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف یا شیطان کی طرف۔ میں رابعہ قلندرہ کی باتیں نہیں بتلا، کیونکہ حسد ہو جاتا ہے، بغض ہو جاتا ہے۔ دلوں میں کشادگی نہیں ہے۔

میرے ہاتھ میں جو تیسع ہے، یہ جیب تک میرے اوپر نہیں آئی تھی، میں پھری پیس سوٹ میں رہتا تھا۔ اس وقت بھی معاملہ یہاں تک ہوتا تھا کہ ایک دفعہ مجھے حکم ہوا کہ سلور گرل پہنچو۔ وہاں ایک شخص نے خودکشی کا ارادہ کیا ہوا ہے، اس کے ارادے کو ختم کرو۔ اسی وقت سواری کی اور میں سلور گرل پہنچا۔ بہترین رستورن تھا۔ ایک شیزان تھا قادیانیوں کا، جہاں میری رغبت نہیں ہوتی تھی۔ باکبھی فلیش مین چلا جاتا۔ بہر حال میں وہاں پہنچا۔ قدم رکھے۔

ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کوئی سمجھ نہیں آئی۔ پھر نگاہ دوڑائی۔ پھر سمجھ نہیں آئی۔ پھر جب رجوع کیا اور سائید پہ دیکھا، تو ایک شخص ایک ٹیبل پر اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بڑے سنجیدہ موڈ میں۔ میں سمجھ گیا کہ یہی صاحب ہیں۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا: ”آپ پر بارِ خاطر نہ ہو (یعنی آپ کو برا نہ لگے) تو بیٹھ سکتا ہوں۔“ پھر میں نے پوچھا: ”آپ نے کچھ منگوایا ہے؟“ کہا نہیں۔ میں نے کہا۔ پھر میں ابتداء کرتا ہوں، اچھا ہوگا، مجھے خوشی ہوگی۔“

خیر چائے وغیرہ پی تو کہنے لگا، آپ کا کیا شغل ہے؟ میں نے کہا کوئی شغل وغیرہ تو ہے نہیں۔ بس تعلیم ہے، کبھی نوکری مل جاتی ہے، تو کر لیتا ہوں۔ میں نے جاتے ہی ان کے قلب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس وقت تو یہ چیزیں آپ کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ آگے جائیں گے تو مجھے امید ہے آپ سب کو اللہ تبارک و تعالیٰ دیدہ دل سے نواز دے گا اگر ثابت قدم رہے تو۔ کیونکہ یہ راہ بند لوگوں کی نہیں، مردانِ حق کی ہے۔ خیر اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنا کارڈ دیا۔ میں نے کہا ضرور، مجھے موقع ملا تو آپ سے رابطہ کروں گا۔ میں نے ایک دن گھر میں کہا، ٹرائی تیار کرو۔ ویسے بھی میرے متعلق مشہور تھا کہ افضل صاحب کے ہاں ناشتہ ٹرائی میں ملتا ہے۔ دونوں قسم کی نمکین اور میٹھی۔ میں نے گھر والوں سے کہا کہ کھانے میں کچھ گرم گرم چیزیں، پکوڑے، بھوک بڑھانے والی قسم کی تیار کریں۔ انہوں نے پوچھا، کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ ایک بہت سنجیدہ آدمی آ رہا ہے۔ روکھا آدمی ہے۔

خیر جب گھنٹی بجی، تو میں نے دروازہ کھولا۔ حالانکہ عمر پچپن سال تھی، لیکن پچاس کے معلوم ہوتے تھے۔ کالر پہ پھول لگائے رہتے تھے۔ میں نے کہا، آؤ، تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ کہا، واقعی؟ میں نے کہا، ہاں، آؤ بیٹھو۔ کہا، میں تو تمہیں لینے آیا تھا۔ میں نے کہا، پہلے آپ بیٹھ جائیں۔ پوچھا، کیوں؟ میں نے کہا، میں نے چائے پی کے نکلنا ہے۔ ان دنوں میں چائے کا بہت بڑا شوقین اور دلدادہ تھا۔

بعض مزارات پر جب مجھے کہا جاتا تھا، تو میں پانچ میاں پتیا تھا۔ ایک نہیں، دو تین مزارات پر کہا گیا کہ چائے پی کے جائیے۔ میں نے کہا۔ حضور یہاں کہاں چائے؟ یاد رکھئے، مزارات پر اتنے آدمی ہوتے ہیں، ان میں سے ایک آدمی ایسا ہوتا ہے جس کا رابطہ صاحب مزار سے ہوتا ہے۔ اسکی نظر باطنی پس آتی ہوتی ہے کہ اسے کوئی بات پہنچے۔

یہ لاہور کا واقعہ ہے۔ حضرت میاں میر رحمت اللہ علیہ کے مزار شریف کا۔ واقعی وہاں چائے کے کوئی آثار نہ تھے۔ میں جب مزار شریف سے باہر آیا، تو ایک صاحب آئے، کہنے لگے، السلام علیکم۔ میں نے کہا: وعلیکم السلام۔ کہا چائے پی کر جائیے۔ میں نے کہا، نہیں، بڑی بڑی مہربانی، شکریہ! کہا، نہیں چائے آ رہی ہے۔ چائے آئی۔ میں نے بہت زور لگایا کہ آپ بھی پیئیں۔ کہنے لگے، نہیں میرے لئے حکم نہیں، ساری چائے آپ کھلیے ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت میاں میر علیہ رحمت کے مزار شریف پر ہی میں

نے مراقبہ کی حالت میں کہا۔ حضور، آپ کانگر کبھی نہیں چکھا۔ تو اسی وقت مجھے ایک شخص نے مراقبے میں ہلایا کہ اٹھئے صاحب۔ اور ایک طباق پیش کیا جس میں زردہ اور پلاؤ تھا۔ کہنے لگے، کھائیے۔ میں نے کہا، اندر کیسے کھا سکتا ہوں۔ کہا حضور کا حکم ہے، کھالیں۔ میں نے کھالیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا وہ شخص کھڑا ہوا تھا لیکن اس نے آنکھ نہیں ملائی۔

میں کئی دفعہ گیا۔ ہر بار کہتے، چائے پیتے جائیے۔ میں کہتا، نہیں آپ تکلیف نہ کریں۔ کہتے چائے بن چکی ہے۔ ایک بار جب میں گیا تو سامنے ایک بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا، آپ بھی پیجئے۔ کہنے لگے، یہ ساری چائے آپ کے لئے ہے، پوری پانچ پیالیاں۔ چنانچہ وہ چائے پیالی میں ڈالتا گیا اور میں پیتا گیا۔ بہر حال چائے وغیرہ جب پی چکے، تو میں اٹھنے لگا۔ کہنے لگے، بیٹھیں۔ ہم بیٹھ گئے۔

کہنے لگے، میں تم سے بڑی محبت کرتا ہوں، صرف تم سے ملنے آیا ہوں، پھر یہاں تک کہا کہ میری پانچ لڑکیاں ہیں، جو بھی پسند کر لو، اس سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ میں نے کہا، نہیں، میں نے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی، کیوں کہ میری جب بھی شادی کا معاملہ چلتا ہے، گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔ خیر، غرضیکہ وہ خود کشی والے صاحب جب میرے ہاں پہنچے، تو کہنے لگے کہ آج تمہیں ملنے آیا تھا اور یہ آخری ملاقات ہے۔ میں نے پوچھا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگے۔ آج میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج رات میں خود کشی کروں گا، زہر

وغیرہ منگو لیا ہے۔ لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں نے پوچھا، آخر مصیبت کیا ہے؟

(یہ عورتیں جو باتیں کرتی ہیں۔ میں مردوں سے کہتا ہوں کہ ان کو پھانسی چڑھا دو۔ یہ اتنی ظالم ہیں۔ اور مردوں کو تو، میرا بس چلے، آپ دیکھیں کہ میں ان کا کیا کرتا ہوں، بے تکلفی معاف۔ لیکن یہاں عورتوں کو دیکھیں، تو ان کا جواب نہیں۔)

خودکشی کا ارادہ رکھنے والا وہ آدمی سوات شریف کا تھا۔ طبیعت کا بڑا اچھا اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ زولو جیکل ڈپارٹمنٹ میں سینئر افسر کی حیثیت میں ریٹائرڈ ہوا تھا اور اس کی پنشن معقول تھی۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس نے دو شادیاں کی ہوتی تھیں۔ دونوں بیویوں سے اولاد تھی۔ ماں اور بڑا لڑکا بھی ساتھ رہتے تھے۔ اس نے اپنی ایک بیٹی کو ڈوسرونٹ کو آرٹرز ضروریات سے آراستہ کر کے دے رکھے تھے۔ لیکن اس کے باوجود گھریلو مسائل پیدا ہو جاتے تھے۔ اگر وہ پہلی والی بیوی کے پاس جاتا تو دوسری والی ناراض ہو کر مسئلے پیدا کرتی۔ اسی طرح اگر وہ دوسری کے پاس جاتا تو پہلی والی ناراض ہو جاتی۔ اس نے بتایا کہ اس دن بھی اسی طرح جھگڑا ہوا تھا اور معاملہ اتنا سنگین ہو گیا تھا کہ میں نے کہا کہ ختم ہی کر دوں اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے۔ لیکن جب آپ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ارادہ بدل دیا۔

میں نے کہا، خان صاحب، تمہاری کیفیت تو بچے کے ہے۔

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ مرجائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کہہ رہا ہوں گے

کیونکہ مرنے کے بعد وہاں بھی تکلیف ہے۔ وہاں ڈرائنگ روم اور بیڈ روم جیسی کوئی چیز نہیں۔ نہ وہاں کوئی ایئر کنڈیشننگ دے گا اور نہ ہی کوئی کھوٹا پھنکا، حالانکہ مالدار آدمی ہو اور کما کے جا رہے ہو۔ غرضیکہ اسی طرح کی باتیں ہوتی تھیں۔

عزیزانِ من! میں نے کبھی کسی سے اپنی پروموشن کے لئے نہیں کہا، میرے

ایک خیر خواہ نے کہا کہ ایک دن کھلے جوائن کر لیں، تو ڈی۔ ایس کا چھاپ

لگ جائے گا۔ میں نے کہا نہیں۔

مجھے یہ عہدہ نہیں چاہیے۔ پوچھا کیوں؟ میں نے کہا، جو مزا ڈسٹی میں

ہے، وہ ڈی۔ ایس میں کہاں۔ یہ تو کوئی بات نہ بنی۔ یا ڈسٹی ہو یا سکرٹری ہو۔

میرے ایک افسر تھے۔ ان کے جو سپر و مرشد تھے، ان کا بڑا استا نہ تھا،

اور خود بھی ایم اے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے سپر و مرشد کی توجہ اتنی ہے کہ

لوگ لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا، سُر،

میں ان باتوں میں یقین نہیں کرتا۔ کہا آپ ویسے اتنے اچھے ہیں۔ میں نے کہا، جی

یہ غلط راہ پہ لگا دیتے ہیں۔ یہ باطل کی طرف لے جاتے ہیں۔

ایک دن کہنے لگے کہ میرے حضرت صاحب آئے ہوئے ہیں، آپ چلئے۔ میں

نے کہا، ٹھیک ہے، نیک لوگوں سے ملنا اچھی بات ہے۔ میں گیا تو انہوں نے

بالکل اپنے حضرت صاحب کے سامنے بیٹھا دیا۔ یہ ایک بڑا ہال تھا۔ کافی لوگ تھے اور ادھر ادھر سے بڑے بڑے اونچے لوگ آئے ہوتے تھے۔ اب میں آپ کو ایک بات بتا دیتا ہوں کہ جس جگہ دو فقیر موجود ہوں، وہاں جس فقیر کے پاس طاقت زیادہ ہوگی، وہ دوسرے کو ہلنے نہیں دے گا۔ اگر اپنی طبیعت پہ آجاتے تو اس کا ذکر بھی بند کر دے گا۔ وہ اپنی دھن میں آکر بیٹھ جائیں تو نہ پیر صاحب ذکر کر سکتے ہیں اور نہ ان کے مرید۔ ان سب کے قلوب ان کی مٹھی میں ہوتے ہیں اور وہ اپنی مٹھی بند کرتے ہیں۔

پیر صاحب نے اپنے لوگوں کو بڑا تیار کیا ہوا تھا کہ جی یہ لڑکا بڑا اچھا ہے۔ ہیرا ہے، مگر وہاں بیت کی طرف بڑا روکھا ہے۔ وہ اس کے سخت مخالف ہے۔ دراصل فقیر ہونا اور چیز ہے، گدی نشین ہونا اور چیز ہے اور نور نما ہونا اور چیز ہے۔ اس میں بھی ایک سرور آتا ہے۔

ان کی سفید داڑھی تھی۔ انہوں نے خطاب بھی کیا اور ساتھ ساتھ توجہ بھی ڈالتے رہے اپنی طرف۔ لیکن ہونا کیا تھا۔ چیونٹی رنگ رہی تھی، کیونکہ مٹھی میری بند تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بات نہیں بن رہی ہے، یعنی ان کی توجہ نہیں جم رہی ہے تو ان کی پریشانی بڑھ گئی۔ اس لئے کہ ان کے جو پروانے تھے، جو چیرنے پھاڑنے والے تھے، ان میں سے کوئی نہیں ہل رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ مٹھی میری بند تھی۔ آخر کار اپنی خفت مٹانے کے لئے انہوں نے حاضرین سے کہا جی اپنے اذکار تازہ کروالو، یعنی توجہ لے لو۔ چنانچہ جتنے سب تھے، ایک ایک

کر کے آگے آئے۔ وہ بڑی انگلی زور سے مارتے، لیکن میری مٹھی کھلے تو بات بنے۔

اب میرا باس بھی بڑا پریشان، کیونکہ وہ مجھے لایا تھا کچھ نطاسے والی چیز دکھانے۔ ان کو انہوں نے تیار کیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں، یہ پہلی نشست میں مرید ہو جائے گا۔ (یہ راوی کا بیان ہے) آخر تنگ آگئے کہنے لگے۔ چھوڑو بس کرو۔

یہ بزرگ نقش بند یہ سلسلہ کے تھے۔ جب کھانا آیا، تو میں نے دیکھا کہ سب کے لئے تو پلاؤ ہے اور ان کے لئے مرغی وغیرہ۔ اب میں نے اپنی مٹھی کھول دی تھی۔ میں نے ان کے قلب کی طرف رجوع کیا اور کہا۔ حضور مرغ خور پسیر! ان کے قلب نے یہ آواز سنی۔ مرغی کی ٹانگ اٹھائی اور کہنے لگے آپ میرے ساتھ کھائیے۔ میں نے کہا، میں قبر کی اور پلیٹ کی شکر ت نہیں کرتا۔ ایک قبر میں دو مروے نہیں ہوتے، ایک پلیٹ میں دو آدمی نہیں کھا سکتے۔ چپ ہو گئے اور مرغی کی ٹانگ میری پلیٹ میں ڈال دی۔

انہوں نے پھر کوشش کی اور میں نے پھر مٹھی بند کر دی۔ آخر کار میں نے بس کی اور کہا کہ مجھے ضروری کام ہے، مجھے جانا ہے۔ میرے باس نے پوچھا، کیسا لگا، پسند آئے۔ میں نے کہا کہ اس پر تبصرہ چائے کے ایک کپ پر کریں گے۔ دوسرے دن جب میرے باس نے پوچھا کہ کیسی رہی، تو میں نے کہا کہ آپ کے پیر صاحب تو بڑے نیک آدمی ہیں، لیکن ان کے مرید سب جاہل ہیں۔ پیر کا

ادب بھی نہیں کر سکتے۔

کہا ہاں، آپ نے ٹھیک کہا۔ میں نے کہا، سیر کا مقام ہوتا ہے۔ آدمی آنکھوں سے سیراب ہوتا ہے۔ وہاں آنکھیں اس کے دل میں گڑھی ہوتی ہوتی ہیں۔ اس کے دل میں نور کا فوارہ ہوتا ہے۔ اہل اللہ کی توجہ آنکھوں کے ذریعے ہے۔ عالموں کی توجہ زبان کے ذریعے ہے۔ ایک تیر پھینکتا ہے، ایک تیل نکالتا ہے، بڑا فرق ہے۔ کہنے لگے، ہاں یہی بات ہے۔

میرے ایک کولیگ یعنی ہمکار تھے۔ وہ انڈیا میں بڑی اچھی فیملی کے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس پر جب آئی تو وہ جس کو ہاتھ لگاتا، وہ کئی کئی فرٹ چھلانگ لگاتا، نعرہ مارتا ہوا، قمیض پھاڑتا ہوا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا، ان کی طبیعت میں تنگی آئی یا کیا ہوا کہ انہوں نے کہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کے ایک سیر بنا لیا۔

ختم شریف رکھا، اور مجھ سے کہنے لگے، بھائی جان آپ بھی شریک ہوں، میری بڑی عزت کرتے تھے۔ میں نے کہا، نہیں بھٹی، میں نہیں آسکتا، کیوں مجھے پریشان کرتے ہو، میں اس لائق نہیں ہوں۔ اب بیٹھ گیا ہوں، میں بڑی مشکل میں ہوں۔

کہنے لگے، میرے ایک دوست ہیں، آپ انہیں دیکھ کر بتائیں کہ وہ کیسے ہیں۔ پھر انہوں نے ان کے رنگ روپ باندھے کہ جی ان کے نائبین آتے ہیں، وہ تلواریں ہیں۔ صیفِ زمان اور صیفِ دوران ہیں، تنگی تلواریں ہیں وغیرہ۔

میں نے کہا، اچھا، اگر آئیں تو میں دیکھ کر بتاؤں گا۔

خیر وہ جب آئے تو اس پاس واقعی نیکی تلواریں تھیں۔ اتنے میں شور ہوا کہ تشریف لارہے ہیں۔ ادھر میرے دوست مجھے زور دے رہے تھے کہ جی مسند پہ آپ بھی ساتھ بیٹھیں۔ میں نے کہا، میاں کیوں اپنے پیر سے لڑواتے ہو۔ مسند پہ کبھی دو آدمی بیٹھے ہیں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کہنے لگے، میں آپ کی بزرگی کا معترف ہوں۔ میں نے کہا اگر آپ معترف ہیں، تو میری جہاں طبیعت چاہے گی بیٹھ جاؤں گا۔ کمرے میں سب لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میں بھی جا کے دلہیز کے پاس بیٹھ گیا۔

نعت خواں نے نعت پڑھی، لیکن میری مٹھی کھلے تو بات بنے۔ مٹھی جب بند ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی بند ہوتی ہے۔ آخر ان کو جلال آگیا ایک دوسرے نعت خواں نے نعت پڑھی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قدم یہاں ایک قدم وہاں، کچھ اس طرح کا مضمون تھا۔ تو کہنے لگے، تم کیا جانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام۔

ہم نے دل میں کہا کہ بھٹی وہ تو نعت صرف پڑھ رہا ہے، جس نے لکھی ہے وہ کوئی اور ہے۔ یہ تو لکھے ہوتے کو صرف پڑھ رہا ہے۔ آخر تم نے کون سی جگہ دیکھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہیں کہ جو کہہ سکو کہ آئندہ یہ پڑھا کرو۔ یہ تو خود رکاوٹ ڈالنے والی بات ہے۔

پھر انہوں نے دوسرے کو کہا۔ ان کا خیال تھا کہ جب یہ جوش میں آتا ہے،

تو سب جوش میں آجاتے ہیں۔ لیکن وہاں تو کسی کو کھجلی بھی نہ ہو۔ آرام سے سب بیٹھے ہوتے تھے۔ قہر آلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا کہ کم سخن تو، کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟“ ادھر یہ ہمارے دوست بھی پریشان پریشان اس لئے کہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں یہ ہوگا وہ ہوگا۔ آخر انہوں نے غصے سے کہا، بھئی اگر کسی صاحب کو جانا ہے یا وزن ہے تو وہ جاسکتے ہیں۔

البتہ مجھے ان کا بچہ پسند آیا۔ اگال پہنے ہوئے تھا، گیارہ بارہ برس کا۔ مختلف تھا سب سے۔ بس آن واحد میں اس سے لپٹ گیا، اور کہا یا شیخ اس کو ولی بنا دے، مجھے اچھا لگا ہے۔ آپ کے غلام کو اچھا لگا ہے۔ سید بھی ہے۔ آپ کی آل میں سے ہے۔ یہ اپنے وقت پر بنے گا انشاء اللہ۔

تو جب انہوں نے کہا، تو میں چپ بیٹھا رہا۔ پھر انہوں نے کہا۔ بھئی پڑھو نعت۔ اب ایک خاص آدمی تھا کہ جس نے نعت پڑھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہیں ہوا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ”میں نے عرض کیا کہ کس کو جانا ہے، کوئی پریشانی ہے، تو وہ شوق سے جاسکتا ہے۔“ میں نے پھر سوچا کہ میں اس لئے تو نہیں آیا کہ ان کی محفل خراب کروں۔ میں تو اپنے دوست کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے آ گیا تھا۔ جسے تم ہاتھی سمجھتے ہو۔ پتا نہیں ہوتا کہ کسی میں کیا ہوتا ہے۔ یہ کبھی نہیں سمجھنا کہ ہمارا پیر خدا ہے یا کچھ اور۔ ہر ایک کی تعظیم ہے۔ ادب اور تعظیم سے بہت کچھ ملتا ہے۔ اپنے دوست سے میں نے کہا، جی میں جا رہا ہوں۔

اس کا سالہ بھی آیا ہوا تھا۔ وہ ڈسٹرکٹ سیشن جج تھا۔ وہ بھی ہمارا
 کو لیک یعنی ساتھی رہ چکا تھا۔ وہ آٹے میرے پاس اور کہنے لگے کیا بات
 ہے بھائی جان۔ ناراض ہو گئے کیا۔ میں نے کہا۔ میں ناراض نہیں، مجھے جانا
 ہے۔ کہنے لگے کہ آپ جب تک لشکر نہیں کھائیں گے نہیں جائیں گے۔ میں
 نے کہا کہ لشکر یہ تو دم درود پڑھا جاتا ہے۔ یہاں ابھی تو دم درود پڑھا ہی
 نہیں گیا ہے۔ اس نے کہا، میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا۔ میرے لئے
 دم درود آپ ہیں۔ آپ نہیں کھائیں گے تو لشکر تقسیم نہیں ہوگا۔ خیر میں نے
 کھایا اور اس کے بعد خدا حافظ کہا۔

میں پیری مریدی کی طرف مائل نہ تھا۔ چنانچہ حضرت قبلہ بھائی جان
 علیہ رحمت کے وصال کے بعد میں چھ ماہ تک اوپر والے سے جھگڑتا رہا کہ
 میں نے گدی پہ نہیں بیٹھنا ہے۔ لیکن آخر کار جب حتمی فیصلہ آ گیا، تو میں
 اس شرط پہ بیٹھ گیا کہ ایک تو مجھے فیضان کی کمی محسوس نہ ہو اور دوسرے یہ کہ
 میں ہمیشہ محنت کی کہانی ہے، محنت کروں گا۔ لیکن ہڈ حرام نہیں ہونے دوں
 گا۔ جو اس لائق ہوگا اس کو خلافت تقسیم ہوگی اور یہی اس کو آگے چلائیں
 گے اور سند پر بیٹھیں گے۔ میں ان میں سے نہیں ہوں کہ حسد کروں کہ یہ
 میرے برابر ہو گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ اتنے درجات پائیں کہ مجھ سے
 بھی آگے بڑھیں۔

و محمد رشتہ! یہ شرائط منظور ہو گئیں۔ اسی طرح پہلی دفعہ میں مکمل اختیار

کے ساتھ مسند پر بیٹھا تو ایک اسی برس کا شخص دونوں بیساکھیوں پہ آیا اور آکے دور بیٹھ گیا۔ جب منقبت شروع ہوئی، تو اچانک میری نظر اس پہ اور اس کی نظر مجھ پہ پڑ گئی۔ وہ اچھلا اور بغیر بیساکھی کے وہاں سے چل کر مسند تک آ گیا اور سلام کر کے پھر بغیر بیساکھیوں کے اپنی جگہ پہ جا کے بیٹھ گیا۔ بعد میں اس شخص نے اپنا حلقہ بنا کر لوگوں سے کہا کہ جو کتابوں میں پڑھا تھا، ایک حسرت تھی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کوئی ایسی چیز دکھا دے۔ آج میری حسرت پوری ہو گئی۔ اب میں اسی برس کا ہوں۔ اب میں مرنے جاؤں تو مجھے کوئی بھی حسرت نہیں۔

عزیزانِ من! کسب (مہنر) رکھو، کمال رکھو، مگر اس پہ ابراؤ نہیں ایسے رکھو کہ جیسے تمہیں اس کا پتہ نہیں۔ دیکھو فقراء کو اسم اعظم عطا ہوتا ہے۔ ان کی جان چلی جاتی ہے، وہ اسے استعمال نہیں کرتے۔ یہ ان کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے، لیکن وہ اسے استعمال نہیں کرتے۔ ہاں جب اذن ہوتا ہے تب وہ استعمال کرتے ہیں۔

حضرت نعتی شاہ حضرت میاں میر رحمت اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، ذات کے تیلی تھے۔ بڑا پیار تھا حضرت کو ان سے۔ اس وقت آپ کے اور بھی بڑے پاٹے کے خلیفے تھے۔ حضرت میاں میر رحمت اللہ علیہ سندھی تھے، یعنی آپ سندھ کے قاضیوں میں سے تھے۔ بڑی باغ و بہار شخصیت تھی۔ ایک دن کہنے لگے، نعتی، تیرا کام کہاں تک پہنچا؟ اس نے کہا۔ حضور، اب یہ حال ہے کہ ملکوت

کی، جبروت کی اور لاہوت کی کنجیاں بھی میرے پاس ہیں۔ جب چاہتا ہوں ملکوت میں ہوتا ہوں، جب چاہتا ہوں جبروت میں ہوتا ہوں، آپ رحمت اللہ علیہ خوش ہوتے اور رب سے خطاب کرتے ہوتے فرمایا۔ دیکھا اس تیلی کے بچے کا کام۔ کیا کمال حاصل کر لیا ہے۔ تم لوگ ذات پات میں اُلجھے ہے اور یہ محنت کرتا رہا۔

آپ رحمت اللہ ایک دن باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ آندھی، جھکڑ کے ساتھ بارش آئی۔ نتھے شاہ نے یہ سمجھا کہ اب موقع اچھا ہے۔ کہنے لگے، حضور، ارشاد ہو تو روک دوں؟ سامنے ایک کمرہ بنا ہوا تھا جیسے مغلیہ خاندانوں میں ہوتا ہے شکار کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ نتھے، نہیں کوئی بات نہیں۔ اس کمرے میں چلتے ہیں۔ نتھے نے دل میں سوچا کہ یہ ایک موقع تھا کرامت دکھانے کا وہ بھی جاتا رہا۔ خیر آپ بیٹھے اور سمجھ گئے کہ نتھے کی طبیعت پہ گراں گزری، اس لئے فرمایا: بیٹے، بات چھی ہوتی اچھی لگتی ہے۔

نتھے کے پاس ایک بکری تھی۔ اس بکری کی بھی سُنئے۔ نتھے ایک دن روتا ہوا آیا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا بات ہے نتھے؟ کہا حضور بکری مر گئی ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ نتھے کو ایک اور بہترین بکری خرید کے دو۔ کہا نہیں۔ فرمایا، تو پھر نہیں سے کیا مطلب تمہارا۔ کہا نہیں، یہی بکری چاہیے۔ آپ نے کہا، نتھے بکری مر گئی ہے۔ کہا، نہیں یہی لینی ہے۔ خیر جب بہت اصرار کیا تو پھر اذن ہو گیا اسم اعظم استعمال کرنے کا۔ فرمایا، اچھا ایک چادر لے آؤ۔ چادر لائے

فرمایا، لے آؤ بکری۔ لے آئے بکری۔ چادر بکری پہ ڈال دی، پھر فرمایا: پانی لاؤ۔ پانی پہ آپ نے جب دم کیا اور چھنیٹیں ماریں، تو میں بس کرتی ہوتی بکری اٹھی۔

تو میں اسی لئے آپ کو کہا کرتا ہوں کہ شریعت کا پورا پورا ادب کرو۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایک مقام آتا ہے جب آپ طرقت میں نکلتے ہیں تو شریعت کی بعض چیزیں آپس میں ٹکراتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ اس لئے کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر شریعت کی حد میں بھی ہیں، تو وہ اس بھید کو نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے یہ بکری دوبارہ زندہ ہو گئی۔

عزیزانِ من! علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم ظاہر جس کا تعلق آپ کے جسم سے ہے۔ ایک علم باطن، جس کا تعلق آپ کے قلب سے ہے اور اصل اسی علم باطن میں ہے بس۔ شرع شریف اپنی جگہ، لیکن یاد رکھو، ارشاد ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ حضور ہی قلب کے بغیر نماز نہیں۔

میں ایک عالم سے تھوڑی سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا پریشان تھے بے چارے۔ میں سمجھ گیا۔ میں سنتا رہا، سنتا رہا۔ جب ختم کر چکے، تو میں نے کہا مولانا، ٹھیک ہے میں نے وہ لباس نہیں پہنا، وہ باتیں اپنی جگہ۔ لیکن اجازت ہو تو ہم بھی کچھ عرض کریں۔ اگر برا نہ مانیں۔ کہنے لگے نہیں، بات کریں۔ میں نے کہا، آپ یہ تو مانتے ہیں کہ مومن کی معراج نماز ہے۔ کہا ہاں۔

میں نے کہا، آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ حضورؐ کی قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ کہا
 ہاں۔ پھر میں نے پوچھا، آپ نے کتنی نمازیں پڑھائی ہیں۔ کہا اتنے سال ہو گئے
 میں نے کہا کیا آپ قسم کھا کے کہہ سکتے ہیں کہ وہ نمازیں آپ نے حضورؐ کی قلب
 سے ادا کی ہیں۔ اگر نہیں کی ہیں، تو لا کھوں آدمیوں کی نمازیں آپ نے برباد
 کر دی ہیں۔

اس کا تو ہو گیا کام بے چارے کا۔ اس پہ تو چڑھائی کر دی۔ وہ مان
 بھی گئے لیکن کیا کبھی آج تک کسی مولوی کو سنا کہ یوں کھڑے ہو کر توبہ کی
 ہو کہ لوگو، میں تمہاری نمازیں خراب کرتا رہا ہوں، اسی لئے میں آج توبہ
 میں مصروف ہوتا ہوں۔ آپ نے سنا کبھی۔ میں نے تو آج تک کبھی نہیں سنا۔
 دوسری بار میرے پاس علماء کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ اچھے دارالعلوم والے۔
 میں نے ان سے کہا کہ صاحب آپ ہم پہ معترض رہتے ہیں۔ کہنے لگے جی نہیں۔
 میں نے کہا نہیں، جب وقت پڑتا ہے، تو آپ حلقہ کر دیتے ہیں، لاٹھی مارتے
 ہیں۔ آپ کا سابقہ ریکارڈ یہ ہے کہ فتویٰ جب بھی لگا، آپ نے لگایا۔ میں
 نے کہا، آپ اہل فتویٰ ہیں اور فقراء اہل تقویٰ ہیں، اور فضیلت تقویٰ والوں
 کی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: میرے نزدیک بڑا وہ ہے جو تم میں
 سے تقویٰ میں بڑھ کر ہو۔

یہ میرا معیار ہے۔ یہ جو موچی، چمار والی ذاتیں ہیں، یہ تو پہچان کے
 لئے ہیں۔ صرف پہچاننے کے لئے۔ تو میں نے کہا جی، میرے یہ بال سفید ہو

گئے ہیں اور مسجد کے ساتھ میرا عشق شروع سے ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں نماز مسجد میں پڑھنے کی۔ سات آٹھ سال کی عمر کیا ہوتی ہے۔ افسروں کے بچے کن کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ آپ کو تو پتہ ہے۔ تو جناب، ان دنوں چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی تھیں۔ ان میں کنویں ہوتے تھے۔ چمڑے کے کھوکھوتے تھے۔ وہ کنویں میں ڈال کے ہم ٹینک بھرتے تھے۔ اور نماز کا وقت دیکھ کر ہم وضو کرتے، اور نماز میں شریک ہو جاتے۔ اسی میں ہم خوش ہوتے تھے۔

اگر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہو رہا ہو تو ہم باپس کے گاؤں جا کر اعلان کرتے تھے، یعنی پانچ چھ لڑکے ساتھ لئے، ایک ڈھول والا لیا اور اعلان کے لئے گئے۔ سیرت کے جلسے شام کے وقت ہوا کرتے تھے۔ اب تو فضائیں ہی بدل چکی ہیں۔ اب تو انسان، بکری انسان ہو گیا ہے، جیسے ایک سمندر ہے، اس میں جہاز چل رہے ہیں اور جو جہاز اس میں گیا، باہر نہیں نکلا۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ سوچ کر بتائیں کہ کبھی کسی عالم نے جوش میں خطاب کیا ہو اور اس سے کسی کا قلب جاری ہو گیا ہو۔ میں نے کہا کہ آخر اللہ و رسول کی باتیں ہیں، اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا، صرف ایک مثال دیں۔ زندگی کا ایک واقعہ سنا دیں۔ میں نے کہا، آپ یہاں میرے پاس دیکھتے ہیں۔ کیا میں نے کسی سے بھی پوچھا کہ تمہارا وضو ہے۔ کسی سے پوچھا کہ تم نماز پڑھتے ہو۔ کسی سے بھی پوچھا کہ تم سگریٹ یا شراب پیتے ہو۔ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا۔ آپ کے قلب پہ ہاتھ لگاتا ہوں، دو منٹ سے دس پندرہ منٹ

کے اندر اس سے آواز آنی شروع ہو جاتی ہے اللہ اللہ اللہ۔ بات یہ ہے کہ معاملہ قلوب سے ہے۔ عقل سے نہیں۔ عقل دلیل مانگتی ہے۔ آپ سے بہتر دلیل دینے والا آگیا تو آپ کی دلیل کی کاٹ کر دی۔

عشق مشورہ نہیں چاہتا۔ بس تو ہو اور تیرا فیصلہ۔ ادھر رات ہوئی، تو تو ہو اور تیرا فیصلہ۔ جلد دیکھتا ہوں، تیری دید ہے، تجلی تیری۔ اور ہر چیز بس تمہیں ہی آوازیں دیتی ہے۔

تو میں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ اسلام کی خدمت میں آپ نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ ان کا خلاصہ بھی مشکل ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ ایک کی اذان ایک قسم کی ہے اور اس کا وقت اور ہے۔ اور دوسرے کی اذان کا وقت اور قسم الگ۔ اسی طرح نماز میں ایک کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ایک کے چھوڑے ہوئے ہیں۔ تو بتائیے کون سی مسجد میں نماز پڑھیں۔ پھر کس سے سٹریٹکٹ لیں کہ دین کس کا صحیح ہے۔ میں نے کہا یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔ قادیانی جو ہیں جو دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کی پرستش کرتے ہیں۔ آپ مجھ سے پوچھیں کیوں؟ وہ اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ نبی آسکتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا گرو جو ہے، وہ مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں۔ کتنی بڑی ہستی ہیں۔ ان کا فتاویٰ رشیدیہ دیکھئے۔ میں کہتا ہوں مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ آپ دیکھئے کہ یہ کتاب آپ میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اب میں جو ہوں، ٹھیک ہے میرا سبجیکٹ ہے۔ مجھے تو یہ کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ لیکن عام مسلمان جس طرح

انگریز لگا ہوا ہے، ہر ایک چاہتا ہے کہ ہم براڈ مائنڈڈ یعنی کشادہ دل ہوں، اگر کوئی چنیر مذہب کے خلاف ہو، توجیب اُسے قبول کرنی ہو تو کہیں گے جی میں تنگ دل نہیں ہوں یعنی یہاں براڈ مائنڈڈ نہیں یعنی کشادہ دلی آجاتی ہے۔ تو ان سے ایک شخص سوال کرتا ہے، جو فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ کیا کسی اور شخص کو بھی رحمت اللعالمین کہا جاسکتا ہے؟ اب یہاں تشخیص کری یعنی کسی اور سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ۔ اب جو اب سنتے۔ مولوی عالم بھی ہے اور ظالم بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کسی مولوی نے نہیں سنائی ہوگی۔ میں نے مولویوں سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”بھلے لوگوں میں جو بھلے عالم ہیں وہ سب سے پہلے ہیں۔ اور شریر لوگوں میں سے جو شریر عالم ہیں وہ سب سے پہلے ہیں یعنی علمائے حق اور علمائے سوء۔“

اور تیسرے جن کو وہ حکیم الامت اور نہ جانے کیا کیا لکھتے ہیں یعنی مولوی انشرف علی تھانوی، وہ لکھتے ہیں کہ نماز میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) گدھے اور بیل سے بڑھ کر ہے۔ الفاظ دیکھتے یعنی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا اور پہچانا۔ انکو ٹھال گایا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تک تم مجھے اپنی ہر چیز سے عزیز نہ سمجھو، تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب یہ شرط ہے تو اس شرط پر آپ کو اجازت ہے کہ اگر ماں باپ ایسی بات کرتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے آپ ان سے

اختلاف کر سکتے ہو۔ مگر اس کے علاوہ چاہے وہ کافر اور مشرک بھی ہوں، تم ان کی خدمت کرو۔ جو بھی ان کے مطالبات ہیں، ان کو پورا کرو۔ ان کا آنا بلند مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ان کے لئے فرمایا: اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ اپنے ساتھ ملا کے کہتا کہ ان کی اہمیت کا پتہ چلے۔

تو عزیزانِ من! ایک اور مولانا ہے فضل الرحمن۔ وہ کہتا ہے کہ پاکستان ایک فراڈ ہے۔ یہ ایک عالم دین کہتا ہے اور انہوں نے قائد اعظم پر کفر کے فتوے لگائے۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کرو۔ دیکھو دشمن ہر طرف لگے ہوئے ہیں۔ جو بادشاہ کا دین ہوتا ہے وہ لوگوں کا دین ہوتا ہے۔ بادشاہ تو بادشاہ ہوتا ہے۔ ابھی پرسوں کی بات ہے کہ ایک بلین روپے کی شراب تلف کی گئی ہے۔ اس دور میں اور پہلے کے دور میں اتنی شراب ناجائز نہیں آئی ہے۔

حد تو یہ ہے کہ ایک طرف تو تلقین بھی کی جاتی ہے۔ وہ چمگاڈر والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ یہ کھاتا بھی ایک طرف منہ سے ہے اور نجاست بھی منہ سے نکالتا ہے۔ یعنی ایک طرف کرپشن ہوتی ہے اور دوسری طرف اسی اخبار میں ہوتا ہے کہ وزیر اعظم نے مرسڈیز منگوائی اور ایک کروڑ بیس لاکھ کی ڈیوٹی نہیں دی۔ اب مجھے بتائیے کہ ہم نے حکومت کے کسی کام میں مداخلت تو نہیں کرتا۔

بھروسا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا جو یہ کام ہے یہ ٹھیک جا رہا ہے۔ بھروسا کیا ہے۔ یعنی وزیر اعظم کا بیان تھا نوائے وقت میں۔ اس خبر کی سرفی کا آخری جملہ تھا کہ اقتدار میرے جوتے کی نوک پر ہوتی ہے۔ یہاں کسی نے بھی غور نہیں کیا۔ واشنگٹن میں کیا مصیبت لگی ہوئی ہے۔ وہاں ہر کوئی بولتا ہے، سیاستدان وغیرہ سارے۔ اور اسی اخبار میں آگے لکھا ہوا ہے کہ سب معاملہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ اور اب وہ صرف اوکے کرنے گیا ہوا ہے۔ اب مولانا فضل الرحمن جو اتنا اپوزیشن میں بول رہا تھا، اس کو بنایا کشمیر کمیٹی کا چئیرمین۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے دوسری کو کہا کہ رات بھر نیند نہیں آتی۔ انہوں نے کہا، اچھا چین سے سو آؤ۔ تم بھی چکر لگا کے آؤ باہر کا۔ یہ تو حال ہے۔ تو میرے کہنے کا مطلب ہے کہ پہلے جو تھے ان کو جب قاضی القضاہ یعنی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے دیئے جاتے تھے، تو وہ کہتے تھے کہ ہم اس قابل نہیں۔ اور غالباً یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے کہا اگر آپ مانتے ہیں کہ میں جھوٹ بولتا ہوں، تو میں اس عہدے کے قابل نہیں۔ بادشاہ نے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو سزا دی، جسے آپ نے قبول کیا لیکن عہدہ قبول نہ کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بعد میں آئے۔ چار خلفائے راشدین ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خلیفہ راشد کہا جاتا

ہے۔ اس لئے کہ ان کو خلیفۃ الخامس کہا گیا۔ آپ کو خلافت کے لئے بڑی مشکل سے منایا گیا حالانکہ پہلے مصر کے گورنر تھے۔ آپ نے کہا نہیں، میں امیر المؤمنین نہیں بنوں گا۔ بہت مجبور کیا گیا تو بن گئے۔ ان کی حکمرانی کے نتیجے میں دو برس کے اندر کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں رہا۔ یہ تاریخ ہے اور تاریخ تاریخ ہے۔

عزیزان من! تبلیغ جو ہے، اسلام کی جیت تک حقانیت ثابت نہیں کرے تو کوئی بات نہیں بنتی۔ یہ مولوی کے بس کی بات نہیں۔ وہ چھ صفحے رٹ کے تو سنا سکتا ہے، مگر اس سے کہو کہ مولوی صاحب، کوئی کرامت دکھاؤ، کوئی خارقِ عادت چیز دکھاؤ، تو اس کے بس کی بات نہیں۔

ایک بار عیسائیوں نے علماء سے بحث کی اور ان کے تاک میں دم کر دیا۔ جب علماء کا بس نہ چلا تو انہوں نے آخر کار حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فریاد کی کہ حضور آپ ہماری مدد کریں اور آکر ان سے تبلیغ کریں۔ آپ گئے اور وہاں پہنچ کر ان کو دعوتِ اسلام دی۔ ان کے سردار آئے۔ انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہمارے ایک مذہب رہنا ہیں، آپ ان سے بات کر لیں۔ اگر وہ مسلمان ہو گئے تو ہم بھی ایمان لائیں گے۔ آپ نے کہا بلاؤ اس کو۔ اس نے اگر کہا ہاں۔ میں نے آپ کے نبی صاحب کی بہت سی حدیثیں پڑھی ہیں اور یاد بھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ہے۔ پوچھا، کیا ہے کہا یہ کہ : ”میری امت کے جو عالم ہیں، وہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے برابر ہیں“ آپ

نے کہا کہ یہ حق ہے۔ کہنے لگا کہ ہمارے پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ آپ عالم دین بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، تو آپ ہمیں یہ چیز کر کے دکھادیں، ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تمہاری بس یہی شرط ہے۔ کہا ہاں، ایک ہی شرط ہے۔ آپ نے کہا، تو پھر چلو ہمارے ساتھ قبرستان۔

جب حضور غوث الاعظم چلنے لگے تو ایک شور مچ گیا کہ مسلمانوں کے پادری آٹے ہوتے ہیں۔ سارے قبائل جمع ہو گئے۔ آپ نے قبرستان پہنچ کر کہا کہ بتاؤ کون سی قبر کا مردہ زندہ کرنا ہے۔ اس نے ایک قبر چنی جو کئی سو برس پرانی تھی۔ بالکل ایسی کہ جس میں مردے کا کچھ بھی نہ ملے۔ بس ایک گڑھا ساتھ تھا۔ کہا اس کو۔ آپ نے ان سے خطاب کیا کہ دیکھو، تمہارے نبی (علیہ السلام) جب مردہ زندہ کرتے تھے، تو فرماتے تھے ”کن بر اذن اللہ“ یعنی اللہ کے حکم سے ہو جا۔ اب دیکھنا میں کیا کہتا ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں: ”اٹھ میرے حکم سے“ اور قبر کو ٹھوکر ماری۔ قبر کے اندر سے ایک آدمی نکلا۔ کہا السلام علیکم، کیا قیامت برپا ہو گئی؟ آپ نے فرمایا نہیں قیامت برپا نہیں ہوئی۔ تمہیں بلایا گیا ہے۔ بس اب واپس جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس قبر میں چلا گیا۔ اس کے بعد تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ سب کرد تھے۔ یہ اب ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہیں۔ صلاح الدین ایوبی رحمت اللہ علیہ کرد تھے۔ آج بھی انگریز اپنے بچوں کو ڈراتے ہیں کہ صلاح الدین آ رہا ہے،

صلاح الدین آ رہا ہے۔

تو عزیزانِ من! جب تک علمائے کے پاس یہ چیز نہ ہو، بات نہیں بنتی۔ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چالیس علوم پر دسترس رکھتے تھے، ایک ہزار کتابیں آپ نے لکھی ہیں۔ تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ لکھا۔ اس وقت وہابی نہیں آتے تھے۔ آپ کا فتویٰ مشرق و وسطیٰ تک جاتا تھا، چھاپ کر تقسیم کیا جاتا تھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، سر ضیاء الدین، ریاضی میں بڑا قابل تھا۔ وہ ایک رائٹنگر یعنی جتتی تھے۔ انڈیا میں دو ہی جتتی تھے۔ ایک عنایت اللہ خان مشرقی اور ایک یہ۔ یہ ریاضی کے ایک پرائلیم میں اٹک گئے۔ دن رات ایک کیا۔ کتنے ہی قابل لوگوں سے ملے لیکن پرائلیم حل نہ ہوا۔ آخر میں یہ طے کیا کہ یورپ جائیں، وہاں حل ہو جائے گا۔ جب تیاری کی، تو ایک دوست نے کہا کہ آپ بریلی میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے پاس کیوں نہیں جاتے۔ ضیاء الدین نے بڑی نفرت سے کہا، 'میاں یہ مولانا کا کام نہیں ہے، یہ سائنس کی بات ہے۔ انہوں نے کہا۔ ضیاء الدین صاحب! میری بات سنیں جن کا میں نام لے رہا ہوں وہ ایسے ویسے نہیں۔ مجھے اُمید ہے آپ کا معاملہ حل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا اچھا، تو پھر میری طرف سے وقت لے لیں، حضرت احمد رضا خان بریلوی نے عصر کا وقت دیا۔ دونوں بریلی پہنچے۔ جب اندر گئے اور بیٹھے، تو آپ کہنے لگے۔ ضیاء الدین صاحب، کیا پرائلیم ہے۔ انہوں نے کہا یہ پرائلیم ہے۔ حضرت نے کہا ایک کاغذ دو۔ جب کاغذ دیا، تو

پنسل لی، ڈایا گرام بنا کے کہا لیجئے یہ حل ہے۔

ایک صاحب ہمارے خلیفہ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اپنے مرشد کی کوئی کرامت سناؤ۔ کہا کرامتیں تو بہت سی ہیں۔ پانچ چھ روزانہ ہو جاتی ہیں، اس لئے ان کی اب اہمیت نہیں رہی۔ لیکن ہاں، میں آپ کو ان کی ایک بڑی کرامت سنا تا ہوں۔ اس نے کہا بتائیے۔ اس نے کہا جی اتنے سال ہو گئے ہیں وہ ایک کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی سے ملاقات نہیں۔ نہ طلب ہے، نہ خواہش ہے ملنے کی۔ آپ یا کوئی اور شخص تین دن کمرے میں بیٹھ کر اپنے اوپر پابندی لگائے، چوتھے دن پاگل ہو جائے گا۔ آخر کیا بات ہے۔ کیا چیز ہے؟ کہنے لگے، ہاں، یہ بہت مشکل ہے۔ واقعی انسان اگر کسی سے نہ ملے تو دیوانہ ہو جائے۔ اس نے کہا، وہاں کوئی نہیں۔ انہوں نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ اور وہ صرف جمعہ کی نماز کے لئے نکلتے ہیں یا جب ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اب میں ویسے بھی اگر ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں کار میں بیٹھ کر، میں عموماً تھک جاتا ہوں۔ آج میں پہنچا ہوں چھڑی لے کے۔ میں جانتا ہوں۔ اچھا ہوا میں نے چھڑی لے لی۔ اور راستے میں، میں نے جو اسٹیشن بناٹے ہوئے ہیں، وہاں رک کر سانس لے لیتا ہوں۔ تو وقت وقت کی بات ہے۔

لیٹا رہتا ہوں، پڑا رہتا ہوں، دعائیں کرتا رہتا ہوں سب کے لئے۔ کبھی کوئی سامنے آتا ہے، اس کے لئے دعائیں کرتا ہوں۔ دوسرا آتا ہے، تیسرا

آتا ہے، تقریباً ہر ایک کو دعائیں مل جاتی ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں ہر ایک کی باری آجاتی ہے۔ ہمارے پاس اور کچھ نہیں، دعا ہے، جو ہم دیتے رہتے ہیں۔

بس بد نصیب ہے وہ شخص، جس کو بیعت نصیب نہ ہو۔ حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپ کے ایک پیر بھائی کی قبر تھی۔ آپ وہاں ٹھہر گئے کافی دیر تک۔ آپ کے ساتھ ایک پیر بھائی اور بھی تھے۔ اس نے کہا، آپ نے اتنا قیام کیا۔ آپ کہنے لگے، کہ بیعت بھی کیا چیز ہے۔ اس کو یعنی صاحبِ قبر کو جب عذاب ہونے لگا تو اس نے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کو جو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد تھے، جب پکارا، تو آپ فرشتوں اور اس کے درمیان حائل ہو گئے تھے کہ میں عذاب نہیں آنے دوں گا۔ اور میں اس میں کھڑا رہا کہ فیصلہ کر دوں گا۔ فیصلہ امنی کے حق میں ہوا۔ لیکن

This can not be quoted as a routine - These are exceptions - These are sufficient to illumine your mind, enlighten your soul and show you the path, which is the true path. A man who has got no link, even in this world, he can't live without protection. Earthly body needs protected life, particularly now - How is it possible that when you are moving into Here after and you won't need it.

(یعنی: اس کا حوالہ معمول کی طرح نہیں دیا جاسکتا۔ یہ استثنائی باتیں ہیں۔
یہ بس تمہارے ذہن کو آگاہ اور تمہاری روح کو روشن رکھنے کے لئے کافی ہیں۔
اور تمہیں راہ دکھانے کے لئے ہیں؛ جو حقیقی راہ ہے۔ ایک آدمی جس کو کوئی نسبت
نہیں۔ حتیٰ کہ اس دنیا میں بھی، وہ بغیر حفاظت کے نہیں رہ سکتا۔ دنیاوی جسم
کو محفوظ زندگی کی ضرورت ہے، خاص طور پر آج کے دور میں۔ تو پھر یہ کیسے
ممکن ہے کہ تم دوسری دنیا میں داخل ہو رہے ہو اور تمہیں اسکی ضرورت نہیں؟
مطلب یہ ہے کہ جو مرنے والا ہے، تم اس کے لئے اگر ثواب پہنچاتے
ہو تو وہ اس کے لئے ویسے ہی ہے جیسے ڈوبتے ہوئے کے لئے تنکے کا
سہارا۔ وہ اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اور جب تم قبر کے قریب سے گزرتے ہو
تو مردہ کہتا ہے: ادعا فل، تجھے معلوم نہیں۔ اگر تجھے معلوم ہوتا کہ یہاں کیا پیش
آنا ہے، تو خون کے مائے تیرا گوشت پوست گر جاتا۔

تو عزیزان من! پرہیزگار اور متقی ہونا ایک چیز ہے۔ لیکن ہونے
کے بعد اس ایمان کی حفاظت کے لئے چوکیدار کی بھی ضرورت ہے۔ جتنا مال و
دولت زیادہ ہو اتنے چوکیدار بھی زیادہ لگاتے ہو۔ شیطان جو ہے، وہ ایک
ہی دولت پر ڈاکہ زیادہ ڈالتا ہے، اور وہ ہے ایمان کی دولت۔ اسے کسی اور
شے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس لئے انسان وہ ہے جو غفلت میں نہ رہے،
بلکہ ہر وقت ایمانی اور احتسابی حالت میں رہے۔ اس کے کان منتظر رہیں کہ
ذکر کہیں بند تو نہیں ہو گیا ہے۔

وہ کام کرتا رہے، لیکن اس کے کان ذکر سنتے رہیں۔ یا اس کا سانس بتا رہا کہ ذکر جاری ہے۔ کوئی سسٹم ہونا چاہیے۔ اور اگر نہیں اور ایسی صورت ہے تو آپ دیکھیں وہ کار جس کا سیلف اسٹارٹ نہیں چلتا تو پھر کیا کرتے ہیں؟ ہینڈل مارتے ہیں، تو صوفیوں کے بھی ہینڈل ہوتے ہیں۔ جب آپ دیکھیں کہ آپ کا ذکر بند ہو گیا ہے، تو آپ ہینڈل ماریں اور ہینڈل یہ ہے کہ آپ اسی وقت کام چھوڑ دیں اور نفی اثبات کا ذکر سانس روک کر کریں۔

میں تو یہی کہتا ہوں۔ یہی میں کم عمری سے کرتا آ رہا ہوں۔ جس دم کا ذکر ویسے بھی مثل آئینہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کا ذکر۔ کیا بات ہے... کہ اسم ذات حاصل کریں۔ اس کے اندر چھپا ہوا اللہ ہے۔

حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے زبردست عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ میری قبر اتنی گہری کھودنا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو میں قبر کے اندر اٹھ کر کھڑا ہو سکوں، کہیں بے ادبی نہ ہو۔ تو یوں بنتے ہیں عالم۔ اور اگر عالم کو فقیری بھی عطا ہو تو اس کی طاقت کا اندازہ نہیں۔

عزیزانِ من! اب کچھ سورج طلوع ہونے لگ گیا ہے۔ کچھ یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے کام ہو رہا ہے۔ یہاں کراچی میں بھی ہو رہا ہے۔ کیوں کہ دیوبندیوں کی اصلیت کھل گئی ہے۔ انہوں نے آ کے قرآن و سنت کا سودا کرنا شروع کیا، اور ایک فاسق و فاجر عورت کی تعریف کی۔ اس سلسلہ میں ایک

حدیث ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے عرش بریں (عرش نہیں، عرش بریں) بھی کانپتا ہے۔ شریعت شریعت ہے۔ شریعت میرے اور آپ کے لئے ہے۔ جب ملائی اپنی باری آتی ہے تو تاویلین پیش کرتا ہے۔

ایک چھوٹا سا واقعہ ہے پنجاب کے کسی گاؤں کا۔ بچوں نے کوئی چیز ناجائز طور پر کھالی۔ تو وہ گئے مولانا کے پاس اور کہا مولانا صاحب، بچے تھے، نادانی ہو گئی۔ اب وہ مولوی تھے جیسے گاؤں کے ہوتے ہیں، کہنے لگے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اور فتویٰ دیا کہ ہل کو سیدھا رکھو، اور اتنا حلوہ پکایا جائے کہ اس کی نوک تک پہنچے۔ لوگوں نے کہا جی اس میں تو بڑا خرچہ ہو جائے گا۔ کوئی اور طریقہ بتائیے۔ کہنے لگے نہیں، کوئی اور طریقہ نہیں، یہ کفارہ اور شریعت کا معاملہ ہے۔

اس مولوی کے بیٹے کا نام نور جمال تھا۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب، اس میں نور جمال بھی تو تھا۔ اب مولوی صاحب پریشان ہو گئے۔ کہنے لگے، پہلے کیوں نہیں بتایا۔ خیر ایک لال کتاب رہ گئی ہے، اسے بھی دیکھ لیتا ہوں۔ جب وہ اٹھا کر دیکھی تو کہتے ہیں۔ اوپر سے آیا بیٹا نور جمال۔ کھوٹا سچا سب حلال۔ بس تاویل کر دی۔ تو یہ مولوی اس طرح کرتے ہیں۔ یعنی پکڑ صرف ہماری اور آپ کی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دیوبندیوں کو ذلت دینی تھی، کیونکہ یہ باز نہیں آتے،

وہاں دیوبندیوں میں دو فریق تھے، دونوں کے ہیڈ چوٹی کے علماء تھے۔ ایک مولانا اشرف علی تھانوی کے لڑکے اور دوسرے ذکر کیا۔ جس طرح این ای ڈی کالج کے لڑکے ہوں، انہوں نے سارا سامان توڑ پھوڑ ڈالا۔ دیوبندیہ تالے پڑ گئے۔ وہ اپنے بچوں کو اٹھالے گیا، یہ اپنے بچوں کو۔ یہ ابھی کی بات ہے۔ پانچ چھ سال پہلے کی۔ چنانچہ یہاں بڑے پریشان ہو گئے دیوبندی۔ اور یہاں سے انہوں نے وفذیحے کہ خدا کے واسطے بس کریں ورنہ دیوبند کا ستیاناس ہو جائے گا۔

اب شکر کرو کہ یہ مولانا کوثر نیازی، جو مولانا وہسکی کے نام سے مشہور تھے، چل بسے۔ اللہ نے بچایا مسلمانوں کو اور مل گیا یہ، ورنہ یہ اکبر بادشاہ والا دین الہی جاری کرنے والا تھا۔ شکر ہے کہ اللہ نے اس کو فاریع کر دیا۔ یہ شیعہ اور سنی کو ملا لیتے۔ کیسے ملاتے؟ کیوں ان کا مذہب اور ہے۔ ان کے ہاں متعہ جائز ہے۔ ان کی کوئی بات بھی ہم سے نہیں ملتی۔ نہ نماز ملتی ہے، نہ کلمہ ملتا ہے یعنی کوئی چیز نہیں ملتی۔ تو تم ملاؤ گے کیسے؟ مطلب یہ کہ عربی گھوڑا مل جائے اور ہاتھی مل جائے۔ تو کیا آپ دونوں کو ایک مانیں گے۔ وہ اس فکر میں لگے ہوئے تھے۔ اور اگر زندہ رہتے تو ایک مصیبت کھڑی کر دیتے۔

اسی طرح، ایک وہ غلام احمد پرویز صاحب تھے، جس نے نئے نئے فتنے چھوڑے، اور ایسا لکھا جناب کہ کوئی کیا کہے۔ جس کے پاس علم نہیں حدیث کا، کلام پاک

کا، یعنی فقہی علم نہ ہو۔ اسکو تو گمراہ ہونا ہی تھا۔

ایک بزرگ روزانہ عشاء کے بعد بابا بلتھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک میں جا کے رہتے تھے۔ دن کو اپنے روزگار میں لگے رہتے اور عشاء کے بعد وہاں چلے جاتے تھے۔ ایک دن کسی نے پوچھا، شاہ صاحب، آپ یہاں پر ہیں، کبھی آپ نے کوئی خارق دیکھا، کوئی ایسی غیر معمولی بات بہ کہنے لگے ہاں، صرف ایک دفعہ حضرت مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ آئیں اور قبر کی تعویذ پر ہاتھ مارا اور کہا، اٹھ بٹھیا، گلاں کرے (یعنی اٹھ باتیں کرے) باتیں شروع ہو گئیں۔ اسی دوران اچانک مائی صاحبہ نے کہا: بٹھیا، کوئی سن رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ بابا بلتھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ پھر مزار شریف کے اندر چلے گئے۔ اور حضرت مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ کر چلی گئیں۔ بس زندگی میں ایک دفعہ یہ دیکھا، یہ موت و حیات۔

حضرت شاہ شمس الربانی رحمۃ اللہ علیہ، قطب العالم تھے۔ آپ کو حکم دیا حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جا کے نوکری کریں۔ لیکن جب تم سے کرامت ہو جائے تو سمجھ لینا میرا دصال ہو گیا ہے۔

آپ جس بادشاہ کی فوج میں نوکر ہوئے، وہ راجپوتوں کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بڑی کوشش کر رہا تھا، لیکن کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ بادشاہ کے سارے نے کہا، کبھی درویشوں کے پاس دعا کے لئے جائیں۔ چنانچہ وہ ایک درویش کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا، مجھ مجذوب سے کیا دعا کرواتے ہو۔

پوچھا کیوں؟ فرمایا، فتح کی دعا جس نے کرنی ہے، وہ تو تمہارے لشکر میں ہے۔ کہا لشکر تو بارہ چودہ ہزار کا ہے، انہیں ڈھونڈو گاکیسے؟ فرمایا، آج رات ڈونبے آندھی آئے گی۔ اس آندھی میں سب کے چراغ بجھ جائیں گے۔ سواتے ایک جیسے کے۔ اسی میں وہ ملیں گے۔

جب آندھی آئی، تو بادشاہ فانوس لئے لشکر میں، تلاش میں نکلے، آخر ایک جگہ پہنچے تو خیمہ روشن دیکھا۔ اندر گئے تو حضرت شاہ شمس ربانیؒ کلامِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ بادشاہ بڑے ادب سے کھڑا رہا۔ آپ نے جب قرآن شریف کی تلاوت ختم کی، تو بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ آپ نے پوچھا، فرمائیے، بادشاہ نے کہا میں سائل ہوں، سولی ہوں۔ فرمایا، میں کیا کر سکتا ہوں؟ کہا، بڑے افسوس کی بات ہے۔ آپ میرے لشکر میں ہیں اور ہماری فتح نہیں ہو رہی۔ مجھے کہا گیا ہے، اس لئے آیا ہوں، آپ دعا فرمائیں۔ کہنے لگے، ہاں، دعا کریں گے، لیکن میرا نصاب (تنخواہ وغیرہ) دے دیں۔ بادشاہ رونے لگا۔ کہنے لگے، نہیں رونے کی بات نہیں، میرے مرشد کا حکم ہے۔ مجھے ان کی خدمت میں پہنچنا ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ جس دن ہم سے کوئی کرامت سرزد ہو جائے تو سمجھ لینا کہ وہ ہمارے وصال کا دن ہے۔

چنانچہ بادشاہ کے حکم سے آپ کا نصاب اور کپڑے وغیرہ آپ کو دے دیئے گئے۔ آپ جب گھوڑے پر بیٹھے اور اڑ پڑھ گائی، تو بادشاہ رونے

لگ گیا۔ کہنے لگے: قطبوں کے قطب، وہاں پہنچتے پہنچتے بھی کتنے دن لگ جائیں گے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ ٹھوکر لگی اور آپ گھوڑے سے نیچے گر گئے، جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے، چلئے چلئے۔ لیکن آگے جانے کیلئے مشکل تھی کیونکہ آگے ایک تلوار تھی جو فضا میں گھوم رہی تھی، کوئی چیز بھی آگے بڑھتی، تو وہ اسے کاٹ دیتی اور آپ کے مرشد یعنی حضرت صابر کلیری رحمت اللہ علیہ کی میت کے گرد شیر بیٹھے ہوئے تھے۔ آخر میں آپ نے صدا لگائی کہ حضور! میں تو آپ ہی کے حکم کی تعمیل میں آیا ہوں، مجھے آگے نہیں آنے دیا جا رہا ہے۔ جب یہ کہہ کے آگے بڑھے تو پھر بھی تلوار آگے آئی۔ آپ نے اپنی آستین لمبی کر کے آگے کر دی، تلوار آستین کاٹ گئی۔

ایک وقت تھا میں نے دیکھا کہ شمسی بزرگ اگر خمیض پہنتے تو اس کی ایک آستین چھوٹی ہوتی تھی۔ اسی طرح میں نے دیکھا کہ جو صحیح فریدی تھے ان کی آنکھیں بڑی ہوتی تھیں۔ اب تو گناہوں کی وجہ سے وہ آنکھیں بھی ختم ہو گئیں۔ چنانچہ آپ آگے آئے، جنازہ تیار تھا، آپ مصدے پہ کھڑے ہو گئے دو رکعت پڑھنے کے لئے۔ پھر آپ رونے لگ گئے کہ اب میں اکیلا ہوں۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک سبز پوش جوان، نقاب ڈالے گھوڑے پہ سوار آئے۔ گھوڑے سے اترے اور کہا کہ میرے ساتھ نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو جائیے۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ جب سلام پھیرا اور بیچھے مڑ کے دیکھا تو ڈیڑھ دو لاکھ کے قریب سبز پوش نماز میں شریک تھے۔

وہ صاحب نماز کے بعد جب گھوڑے پہ سوار ہوئے، تو آپ نے لگام پکڑی اور کہا، حضور آپ نے مجھ پر اتنا کرم کیا، میرے مرشد پاک کی نماز جنازہ پڑھائی، تو کم از کم مجھے اپنی زیارت کا شرف تو عطا کیجئے۔ انہوں نے کہا، پیچھے ہٹ جاؤ۔ آپ ہٹے۔ انہوں نے جب نقاب ہٹائی، تو دیکھا مرشد پاک حضرت صابر کلثری علیہ رحمت خود تھے۔ آپ نے فوراً لگام تھام لی اور کہا۔ حضور جانیئے گا نہیں۔ آپ نے زندگی میں مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے ایک سوال پوچھا تھا کہ ”فنا کیا ہے، بقا کیا ہے؟“ آپ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب وقت آئے گا تو بتا دیا جائے گا۔ آج میں سوال دہراتا ہوں۔ اسی پر حضور نے میت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”وہ فنا ہے، اور اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”یہ بقا ہے۔“

عزیزانِ من! اگر ان چیزوں کو آپ نکال دیں، تو اسلام ایک بے جان مردہ ہے۔ وقتاً فوقتاً جو یہ کرامتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں، تو اسی وجہ سے آج تک اسلام کے اندر کچھ روح ہے۔ اس وقت بھی اچھے اچھے اولیاء کرام ہیں۔

حضرت اعتماد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا جب امرتسر میں سکھوں سے مناظرہ تھا، تو سینکڑوں آدمی موجود تھے۔ آپ نے کہا کہ میں اپنا ایک مرید پیش کروں گا۔ تم وہ کرپان، جس سے اسے قتل کرنا چاہتے ہو، وہ مجھے دیدو، تاکہ میں اس پہ اللہ کا کلام پڑھ لوں، اس کے بعد تم اس کو قتل کرو۔ اس نے کہا اچھا اور اپنا کرپان دیدیا۔ آپ نے کرپان پہ پڑھا اور پھر واپس کر دیا۔ اس نے دو تین

دفعہ مرید پہ کرپان چلایا، لیکن ایسے لگا جیسے وہ پانی میں کرپان مار رہا ہو۔ آپ نے کہا اب تم اپنا گرنتمہ صاحب تلوار پہ پورا پڑھ لو، ہمارا کوئی آدمی اس سے تمہارے کسی آدمی کو قتل کرے گا۔ اس نے کہا، نہیں، ہمیں یہ منظور نہیں۔ اس پر ان میں سے تین سو کے قریب مسلمان ہو گئے۔

میرے کمنے کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کرام جو گدیوں پر ہیں۔ یہ اولیاء کرام تھوڑا ہی ہیں۔ نا آگے کے نا پیچھے کے۔ اب تو وہ ہیں کہ کسی کے پاس ”وَقُلْ هُوَ اللَّهُ“ کا نور ہے تو کسی کے پاس ”الحمد شریف“ کا۔ بس اسی طرح گزارہ کر رہے ہیں، کام چلا رہے ہیں۔ گدیوں پہ بیٹھے ہیں۔ دارالعلوم ہیں۔ یہ ہے وہ ہے۔

تو عزیزانِ من! حقیقت میں طاقت تصور کی ہے۔ میں نے ایسے آدمی بھی دیکھے ہیں جو مرید بھی نہیں ہوئے اور مجھ سے اپنے کام بتواتے۔ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مجھ سے کہا بھی نہیں۔ بعد میں بتایا۔ بس تصور میں رکھتے تھے، لیکن محبت اور عقیدت کے ساتھ۔ تو نتیجہ یہ ہے کہ جب انہیں کوئی پریشانی ہوتی تھی تو وہ تصور تیز کر دیتے تھے۔ تو ہمارا جو کنٹرول روم ہے، اس میں فوراً لائٹ آجاتی ہے۔ وہ جو باطنی فورسز ہوتی ہیں، وہ حرکت میں آجاتی ہیں۔ اس لائٹ کی شناخت دیکھی جاتی ہے کہ واقعی اس کا کوئی تعلق بھی ہے یا نہیں۔ قلب کی سختی کو دور کرنے کے لئے محبت کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ اس سے قلب میں نرمی آجاتی ہے، اور دل

میں جو پیسے کے معاملے میں تنگی ہے، وہ دُور ہوتی جائے گی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دل میں لالچ پیدا ہوتی ہے یعنی نیکی کی لالچ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تصور کی مثال دریا کی ہوتی ہے۔ دریا بہتا رہتا ہے۔ اس میں کیا کمی۔ کسی نے لٹا بھرا، کسی نے گھڑا بھرا۔ جس کی جو استعداد ہے، وہ اس کے مطابق لے جائے۔ وہ دریا تو بہتا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی نہ لے، تو اس میں دریا کا کیا قصور۔ میں اس لئے کہا کرتا ہوں کہ جب مرشد کا یا کسی کا تصور کرنے کا عمل شروع کرو تو آئینہ میں اپنا چہرہ ضرور دیکھ لیا کرو۔ یہ نوٹ کر لو کہ فلاں دن مجھے اپنا چہرہ دیکھنا ہے۔ اس طرح پندرہ بیس دن کے بعد پھر دیکھ لو۔ اگر اس پہ کوئی نور یا رونق آتی ہے، تو سمجھ لینا کہ سلسلہ ٹھیک چل رہا ہے، ورنہ پہلے سے بھی گئے گزرے ہو جاؤ گے اور کچھ نہیں ہوگا۔

عزیزانِ من! دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہوتی ہے تصویر، اور ایک ہوتی ہے شبیہ۔ عام آدمی کے فوٹو گراف تصویر کہلاتے ہیں۔ اور جو اولیاءِ کرام ہوتے ہیں یہ ان کے شبیہ کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر نور کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کلامِ پاک کا غور سے مطالعہ کریں تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی فرماتے ہیں بنی اسرائیل سے کہ یہ صندوق جو فرشتے تمہارے پاس لائے ہیں، اس میں تمہارے دلوں کا چین ہے، اور اس میں کیا ہے؟ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا اثاثہ ہے۔ یعنی عصا، نعلین

اور شبیہ وغیرہ۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ عصا، یہ نعلین اور شبیہ سے چن کیوں؟
 (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تو کلام پاک میں فرماتا ہے کہ یعنی آگاہ رہو دلوں کا چین دلوں
 میں ہوتا ہے۔ تو یہ صندوقِ پیمبر میں کہاں سے آگیا؟ ظاہر ہوا کہ جس چیز
 کو نسبت ہو جاتی ہے کسی بزرگ وغیرہ سے، تو اس چیز کا مقام بڑھ جاتا
 ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی تھی، اسے
 مقام ابراہیم کہا گیا اور کہا گیا کہ یہاں نماز (نوافل) پڑھا کرو۔ بی بی حاجرہ
 دوڑیں حالانکہ دیوانوں کا کام ہے یہ دوڑنا۔ جتنی بار آپ دوڑیں، اتنی بار
 آپ کو کہا ”سعی“ کرو۔ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جس جگہ قربانی
 کے لئے لٹایا گیا تھا، وہاں کہا گیا کہ قربانی کیا کرو۔ ایک پتھر ہے حجرِ اسود۔ اس
 کو نسبت ہو جاتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو اتنا شرف
 دیتا ہے کہ اشرف المخلوقات اس کو چومتی ہے۔

عزیزانِ من! دو چیزیں ہیں۔ ایک حقیقی اور ایک مجازی، یعنی ایک
 حقیقت کہلاتا ہے اور ایک مجاز۔ حقیقت جو ہے، اس کی اصل اللہ تعالیٰ
 کی ذات ہے۔ مجاز جو ہیں، وہ اس کے خلیفہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کو
 پیدا کرتا ہے اور اس کا خلیفہ بھی بچہ پیدا کرتا ہے۔ وہ بھی خالق کہلاتا ہے اور
 یہ بھی خالق۔ لیکن وہ خالقِ حقیقی ہے اور یہ خالقِ مجازی کہلاتا ہے۔ اسی طرح
 اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے، یہ سب کچھ ہے۔ لیکن آگے تفویضِ اختیارات ہے۔ مجاز
 کیا ہے؟ اختیار دے دیتا ہے۔ مجاز جو ہے، یہ آگے تقسیم کرتا ہے، وہ خدا

نہیں بن جاتا۔ اگر آپ اس کے مجازی فعل کو تسلیم نہیں کرتے، تو دراصل آپ اللہ کی اتھارٹی کو تسلیم نہیں کرتے، اللہ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایک ہوتی ہے قدرت، ایک ہوتی ہے فطرت، فطرت تو انسان کے اندر چھپی ہوتی ہے۔ وہ ظاہر ہوتی ہے کسی موقع پر۔ قدرت خوارق اللہ جل شانہ ہیں، یعنی بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں جب ارادہ کرتا ہوں تو میں اسباب کا محتاج نہیں۔ میں جب ارادہ کرتا ہوں تو کُن فیکون: یعنی ہو جا، ہو جانا ہے۔

عزیزان من! قانون جو ہے وہ معاشرے کیلئے ہے، اس کی بہبود کے لئے ہے۔ امن کے لئے ہے۔ تو جس جگہ کا قانون ہے، وہ اس جگہ پہ لاگو ہوگا۔ اب یہاں آدمی آگے کہے کہ میں وسیلہ نہیں مانتا، تو اس کی یہ بات قابل قبول نہیں، کیونکہ یہ ناسوتی دیتا ہے، جسے عالمِ اشیاء بھی کہتے ہیں تو گویا وہ عالمِ اشیاء میں یہ بات نہیں کہہ رہا۔ یہ بات وہ کر رہا ہے عالمِ ارواح کی۔ آدم علیہ السلام جنت میں تھے، جہاں کوئی اسباب نہیں، کوئی محنت نہیں۔ بس خواہش کرو، وہ چیز آجائے گی، لہذا پھر وسیلہ کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں وسیلہ کی ضرورت عالمِ اسباب میں ہوتی ہے۔ یہاں نو ماہ ماں کے پیٹ میں۔ پھر تین سال تک پیشاب ٹٹیاں کرتا پھرتا ہے، جگہ خراب کرتا ہے، کیونکہ یہاں عالمِ اسباب ہے۔ یہاں قانون ہے۔ اس قانون کے تحت چلنا پڑتا ہے۔ بیوی کو خاوند کے حقوق اور خاوند کو بیوی کے حقوق دینے

پڑتے ہیں۔ بھائی کو بھائی کے حقوق اور شہری کو شہری کے حقوق دینے پڑتے ہیں۔ تو یہاں اگر وسیلہ نہیں ہوگا، تو ایک دن میں دنیا ڈھیر ہو جائے گی۔ اگر سارے کہیں کہ ہم وسیلہ کو نہیں مانتے، تو ایک دن میں پوری دنیا ڈھیر ہو جائے گی۔ یا پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کئی کروڑ فرشتے بھیجیں۔ چار ارب یا پانچ ارب آبادی ہے دنیا کی۔ تو پانچ ارب فرشتے اسی وقت اسٹیشن ہو جائیں۔ یہ وہ کر سکتا ہے۔ پر وہ کیوں کرے۔ وہ کہتا ہے کہ میری باتیں کوئی بدلنے والا نہیں۔ میری ایک سنت ہے۔ میرا ایک قانون ہے۔ تم اسے بدل نہیں پاؤ گے۔

تو اس لئے، جو چیز اپنی حد میں رہتی ہے، اپنے دائرے میں رہتی ہے، وہ خوب صورت ہے، اور خوب سیرت بھی۔ جو چیز اپنے دائرے سے نکل جاتی ہے، وہ بد صورت ہے اور قابل نفرت۔ جب تک انسان اپنے دائرے میں رہتا ہے، وہ اشرف المخلوقات ہے، اور جب دائرے سے نکلتا ہے تو ثمردہ ذنہ اسفل سا فلین۔ نیچے جائے، ایسی گہرائیوں میں کہ آپ نیچے بھی دیکھیں تو تب بھی اسکی گہرائی نہ تپ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ اپنا قانون بتایا۔ یعنی یہ جو تفسیر ہے،
 ”مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ“
 جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے، اور جس کو وہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے۔ اللہ نے تو پورے کلام پاک کے بارے میں کہا کہ یہ ہدایت ہے۔ اہل تقویٰ اس کو آنکھوں سے لگاتے ہیں، اپنی فطرت کے ساتھ۔ دوسرے جو ہیں، ان کے دل میں مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ متشابہات کے پیچھے پڑ گئے ہیں، جن کے دو معنی نکلتے ہیں۔ یہ ایک بیماری ہے۔ تمہارا سارا کام متشابہات میں ہے۔ تم اگر وہ کرو گے جس کے دو معنی ہیں، تو تمہارا نفس بیدار ہو جائے گا اس لئے کہ وہ مرا ہوا نہیں ہے اور تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا۔ انسان کو ہدایت فرمادی، تعلیم فرمادی۔ آپ کو وسائل دیتے کہ آپ عمل کریں۔ صحت دی، تندرستی دی، مکان دیا، فرصت دی، پھر بھی آپ عمل نہیں کرتے، اگر پھر بھی آپ عمل نہیں کرتے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ گمراہی کی طرف جاتے ہیں، تو ہم ان کو دھکیل دیتے ہیں۔ وہ میری پارٹی کا آدمی نہیں۔ یعنی حزب اللہ کا نہیں۔ یہ حزب شیطان کا ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا۔

(ترجمہ) یعنی شیطان کے نقش قدم پر مت چلنا۔

(ترجمہ) بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ہر انسان کے لئے ہدایت ہے کلاوا و شربوا و لا تسرفوا انہ لا

یحب المرفین۔ (ترجمہ) کھاؤ پیتو، لیکن اسراف نہ کرو (کیوں؟) بیشک

اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ ہے، اسراف وہ ہے جو جائز چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، ان کے استعمال میں زیادتی یا اسراف کرے۔ یعنی بجائے ایک پکوان کے آپ بلا ضرورت چار پانچ کھانے چواتیں یہ اسراف ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے لیکن اس کا اسراف جائز نہیں۔ ایک دوسری جگہ لفظ استعمال ہوا ہے بکھیرنا۔ فرمایا: بے شک فضول بکھیرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ فرمایا۔ بکھیرنا مت، یعنی آپ کو کوئی بہ چیز ضائع کرنے کی اجازت نہیں۔

لیکن اس کے باوجود بھی وہ خلاف ورزی کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ قانونی ہے، نہ اس کی اجازت ہے۔ تو ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ شیطانوں کے جو کام ہیں، وہ بندہ خود کرتا ہے۔

تو یہ اسراف اور فضول خرچی میں فرق ہے۔ ایک قانونی ہے، اس میں جب آپ زیادتی کرتے ہیں تو وہ اسراف ہے۔ دوسرا جو ہے وہ قانونی نہیں ہے، اس کی اجازت نہیں ہے۔ غیر قانونی ہے۔ اس میں بھی آپ زیادتی کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا عن الحمد لله رب العلمین



مُسلمان حُکمران اور اسلام

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار“

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
اعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امابعد!

عزیزانِ من!

آج کے دور میں دنیا کا ہر ملک بے ایمانی، بدعنوانی اور دہشت گردی میں مبتلا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ان ملکوں کے حکمران خود دہشت گرد اور چھپے ہوئے اسمگلرز ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج روئے زمین پر انسان کہیں بھی چین اور سکھ کا سانس نہیں لے سکتا ہے۔ حلال اور حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے۔ لہذا حلال روزی کا لقمہ کوئی کس طرح حاصل کرے۔ ملکوں میں تخت و تاج یا حکومت حاصل کرنے کے لئے اندرون خانہ

گوریلا جنگیں ہو رہی ہیں۔

جو اللہ کے چند بندے ہیں، جو خشک روٹی کے ٹکڑے کھا کر اور ایک گلاس پانی پی کر، اپنی جھونپڑی کی چھت تلے حیران و پریشان اپنی زندگی ناموشی اور خوف سے گزار رہے ہیں۔ ان کو روٹے زمین پہ آج کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں وہ جا کر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اپنی زندگی کے بقیہ دن گزار سکیں۔

پہلے زمانے میں آپ ایک ملک سے دوسرے ملک جا سکتے تھے۔ اب تو آپ کو عمرہ اور حج کے لئے بھی پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرنے پڑتے ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لئے بڑی رشوتیں دینا پڑتی ہیں اور سفارشیوں کو رانی پڑتی ہیں۔ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ اسلام کے ہوتے ہوئے یہ سب کچھ کیوں ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریفین ہے کہ کلمہ گو بہت زیادہ ہیں اور مخلص یعنی سچے مسلمان بہت کم۔ حقیقت یہ ہے کہ ماسوائے چند نفوس قدسیہ کے باقی لوگ جو ہیں، اسلام ان کے جسم کی جلد ہی تک رہا، اندر نہیں گیا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روٹے زمین پر حکومت عطا کی، مگر یہ حکومت چار خلفائے راشدین کے بعد ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد بادشاہت نے اس کی جگہ لے لی۔ بادشاہت کے آتے ہی اس کی بُرائیاں بھی

آئیں۔ اگر کوئی نیک بچہ آگیا، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں شروع ہو گئیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جب امیر المومنین بننے کے لئے کہا گیا، تو آپ نے انکار کر دیا، لوگوں نے آپ پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ آپ کو مجبور و بے بس کر دیا۔ چنانچہ آپ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی اور آپ کے عہد حکومت کے دوسرے ہی سال یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ زکوٰۃ لئے لئے پھرتے تھے۔ اور کوئی زکوٰۃ لینے والا ملتا نہ تھا۔

ایک جگہ میں نے لکھا ہوا پڑھا کہ ایک شخص کا بیٹا جو مرچ کھاتا، اس کو اس نے خواب میں دیکھا اور کہا: "بیٹا! تو تو مرچ کھا ہے، یہاں کیسے؟" بیٹے نے کہا: "یہ ٹھیک ہے، مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز وصال فرما چکے ہیں۔ حکیم باری تعالیٰ ہے کہ تمام ملائکہ، اولیاء اور دیگر مومنین و مومنات ان کے جنازے میں شریک ہو جائیں، لہذا ان کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے ہم سب آئے ہیں۔"

دوسری جانب حجاج بن یوسف جیسا ظالم اور سفاک بھی گزرا تھا۔ جس نے سندھ فتح کرنے کے لئے حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا تھا۔ اس کے ظلم کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک دفعہ سکاڑھ کے دوران راستہ بھول گیا۔ سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہاں ایک غریب عورت کی جھونپڑی تھی۔ جب اسے باہر بلایا اور پانی طلب کیا، تو اس نے نہایت ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ پانی پی کر حجاج خوش ہوا اور اس بڑھیا کو

کہا۔ ”ہم بہت خوش ہوئے، ہمارا نام تجاج ہے، جانتی ہو؟“
 اس نے کہا۔ ”ہم آپ کی رعایا ہیں، ہم آپ کو نہ جانیں، یہ کیسے
 ہو سکتا ہے؟“ تجاج نے کہا۔ ”تم ہمارے دربار میں آنا، ہم تمہیں اس کا
 انعام دیں گے۔“ بڑھیا بے حد خوش ہوئی۔

چنانچہ ایک روز وہ تجاج کے دربار تک پہنچی۔ دربان سے
 کہا کہ۔ ”تجاج نے ہم کو بلا یا ہے، اس لئے میں آئی ہوں۔“ جب
 تجاج کو بتایا گیا تو اس نے کہا۔ ”بڑھیا ٹھیک کہتی ہے، اس کو اندر دربار
 میں بھیج دو۔“

جب بڑھیا اندر آئی اور سلام کیا، تو تجاج نے پوچھا۔ ”تم کیوں آئی
 ہو؟“ اس نے کہا۔ ”میں نے ایک دفعہ آپ کو ٹھنڈا پانی پیش کیا تھا، جس
 سے آپ خوش ہو گئے تھے، اور آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارے دربار میں
 آنا، ہم تمہیں انعام دیں گے۔“ اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، ہمیں یاد
 آگیا، ابھی ہم تمہیں انعام دیتے ہیں۔“ پھر حکم دیا جلا د کو بلاؤ۔“ جب
 جلا د آیا تو اس نے اس سے کہا کہ۔ ”اس بڑھیا کا سر قلم کر دو۔“ بڑھیا
 نے چیخ و پکار کی اور دُہائی دی کہ کیا یہی انعام ہے جو تم دینا چاہتے تھے؟
 اس نے کہا۔ ”ہاں، تمہارے لئے اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں۔
 تلوار کے ایک ہی وار سے تمہارا سر تن سے جدا ہو جائے گا، تم شہید ہو
 جاؤ گی، اس موجودہ زندگی کی مصیبت سے چھوٹ جائے گی اور وہاں

جنت میں عیش و عشرت کروگی۔“ اس کے بعد اس بڑھیا کو قتل
 کروادیا۔

عزیزانِ من! اسلام اپنی جگہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام
 پاک میں فرمادیا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اور بندے کے
 بچھ پہ یہ حق ہیں۔ میرے جو احکام کلام پاک میں ہیں، اور جو میرے
 محبوب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیں گے ان کی اطاعت
 کرنا ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ پہ ایمان لائیں گے اور حکم بجالائیں گے وہ
 اللہ کی پارٹی ہیں، اور سورہ بقرہ میں ان کو حزب اللہ کہا گیا، یعنی اللہ
 کی پارٹی، اور جو شیطان کی پیروی کریں گے، وہ شیطان کے بندے
 ہیں۔ اللہ کے باغی اور مجرم ہیں، اور ان کو حزب الشیطان کہا گیا۔
 مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت کا وعدہ کیا
 طرح طرح کے انعامات کی خوشخبری دی اور شیطان کے بندوں کو بتا
 دیا گیا کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور دردناک عذاب ہے۔

مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، روئے زمین پر ہر طرف ان کی
 حکومت قائم ہوئی، مگر چند نیک بختوں کے علاوہ، سب شراب، عورت
 دولت اور ملک گیری کی ہوس میں گرفتار رہے۔ اسلام ان کے اندر
 داخل نہ ہوا۔ چونکہ وہ خود برائے نام مسلمان تھے، لہذا وہ خود اسلام کے
 اندر کیسے داخل ہوتے۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ یہ نہیں کہ جو تمہیں سوٹ کرے وہ تم اختیار کرو، اور جس سے تمہارے نفس کو تکلیف پہنچے اس کو تم چھوڑ دو۔ ایک دفعہ کوئی مسلمان ہو جاتا ہے، تو پھر اسے اس قسم کا اختیار نہیں ہوتا۔

مسلمانوں نے سینکڑوں برس اسپین پر حکومت کی۔ ایسی ایسی عیاشیوں میں مبتلا ہو گئے کہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کے بارے میں ویسے ہی بات چیت کرتا اس کو قتل کر دیا جاتا تھا یہ سمجھ کر کہ اس کے اندر مسلمان کے لئے محبت باقی ہے اور عیاشیوں کے لئے دوبارہ خطرہ بن سکتا ہے۔

ہندوستان کی مثال لیجئے، جتنی بھی قومیں آئیں باہر سے آئیں۔ اور حکمرانی کی۔ سقہ قوم آئی، سلین آئی، کول قوم آئی، دراوڑ آئے، پھر مسلمانوں کی قطار لگ گئی۔ حتیٰ کہ یہاں خاندانِ غلامان نے بھی حکومت کی، وقتی حالات کو دیکھ کر مقامی لوگ جوتھے، وہ مسلمان ہوتے گئے۔ اپنے دنیاوی نفع کی خاطر، مگر ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے کبھی بھی سچی وفاداری پیدا نہ ہوئی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی مختلف قوموں نے باہر سے آکر حملے کئے، کچھ نے دولت لوٹی اور واپس چلے گئے۔ بعض نے برائے نام اپنا کوئی گوزر چھوڑا۔

جو بھی ہندوستان آیا وہ اسلام اور مسلمان قوم کو مضبوط بنانے کے

لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس کے دور میں ہندو قوم اندر ہی اندر سے اپنا کام مضبوطی سے کرتی رہی۔ مسلمان بادشاہوں کے اعلیٰ عہدے، یعنی وزیر، کبیر، گورنر جیسے عہدے حاصل کئے اور ان پر کامیابی سے فائز رہے۔ آخری مسلمان جو خاندان تھا، وہ مغل بادشاہوں کا تھا۔ مغلوں کے خاندان کو تاریخ میں باغیوں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یکے بعد دیگرے باپ بیٹا ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرتے رہے۔ ان میں اکبر بادشاہ جو تھا وہ شروع شروع میں اسلام کا پابند اور درویشوں کا معتقد تھا۔ لیکن بعد میں اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے دینے شروع کر دیئے تھے۔ ہندو خفیہ طور پر اسے ہندو سمجھتے تھے اور مسلمان اُسے مسلمان۔

ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کے بعد اس نے اپنا وزیر اعظم ایک ہندو بننے کو بنا دیا، جو بہت چالاک آدمی تھا۔ اس کا نام بیربل تھا۔ اب اکبر نے اپنے آپ کو بہت مضبوط اور طاقت ور بادشاہ سمجھنا شروع کیا اور اپنے آپ کو اکبر اعظم کہلوانا شروع کیا۔ طاقت میں بدست ہو گیا۔ سمجھتا تھا کہ ہندو میرے ساتھ ہیں، دوسری قومیں میرے ساتھ ہیں، مسلمان میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اب اس کا دماغ غرور و تکبر سے پھر گیا۔ اور دین اسلام کی بجائے اس نے اپنی طرف سے ایک نئے دین کی بنیاد ڈال دی، جس کا نام دین الہی رکھ دیا تھا، جو اس کے دین میں داخل

ہوتا۔ یہ اس کو چیلہ کہتا تھا۔ دین میں داخل ہوتے وقت چیلہ اکبر کے پاؤں پر اپنا سر رکھتا۔ اور اس پر اپنی ہر چیز، یعنی جان، مال، اور اپنا مذہب تک قربان کر دینے کا وعدہ کرتا تھا۔ اس دین میں داخل ہونے کی ایک شرط تھی کہ داخل ہونے والا دین اسلام سے قطعی کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

پہلے اکبر صرف خلیفہ بنا اور پھر خدا بن گیا اور اپنی مہر پڑھ کر ”اللہ اکبر“ لکھوایا، یعنی اکبر اللہ ہے۔

اس کے چیلے آپس میں جب ملتے، تو ان کا سلام اس طرح ہوتا تھا، ایک ”اللہ اکبر“ کہتا دوسرا جواب میں جل جلالہ کہتا۔ مشہور مؤرخ اسمتھ لکھتا ہے ”دین الہی، اکبر کی دانشمندی کا نہیں بلکہ حماقت کا شاہکار تھا۔ جو بے روک ٹوک خود مختاری کا نتیجہ تھا“

اکبر کے اس نئے مذہب میں وہ لوگ شامل ہو گئے جو بڑے نام مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں سے صرف بیربل اس کا چیلہ بنا۔ امیر الامراء جگوان داس نے اس میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ بہار کے ایک گورنر، راجہ مان سنگھ نے کہا ”یہ اگر وفاداری کا امتحان ہے، تو جان حاضر ہے، ہندو مذہب رکھتا ہوں، اگر کہیں تو اسلام قبول کروں، مگر ان کے سوا کسی اور مذہب کو میں نہیں جانتا“

مطلب یہ تھا کہ ”میں آپ کے دین الہی کو مذہب نہیں سمجھتا۔“
 شہباز خان بڑا بہادر سپہ سالار تھا۔ اکبر کے دربار سے نئے نئے حکم
 جاری ہوتے تھے۔ داڑھی منڈوانے کے، کان چھدوانے کے وغیرہ۔
 مگر اس منتقی اور پرہیزگار سپہ سالار نے کبھی کسی ایسے حکم پر عمل نہیں کیا
 بلکہ ہمیشہ نماز روزے کا پابند رہا۔

ایک روز عصر کے قریب بادشاہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے
 فتح پور سیکری کے تالاب پر ٹہل رہا تھا۔ دربار کے دوسرے امرا کچھ
 فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ”دیکھیں کیسے
 نماز عصر ادا کرتا ہے۔“ شہباز خان نے بادشاہ سے ایک آدھ بار نماز
 عصر کی اجازت مانگی، مگر بادشاہ باتوں میں مصروف رہا۔ جب وقت
 تنگ ہونے لگا، تو اس بہادر سپہ سالار نے اچانک اکبر کے ہاتھ سے
 اپنا ہاتھ چھڑالیا اور فوراً اپنا کپڑا بچھایا اور عصر کی نماز کی نیت باندھی۔

مغلوں میں اوزنگ زیب نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس
 کے حالات موجود ہیں اسے کسی کا اعتبار نہیں تھا۔ قرآن میں یہ ہے کہ جب
 تم اپنے ماں باپ کو بڑھاپے میں پاؤ، تو ان کے سامنے اُفت تک نہ
 کرو۔ (اُفت سے مراد یہ ہے کہ اگر ان سے غلطی بھی ہو جائے، تو ان کے
 سامنے اپنی صورت ایسی بناؤ جیسے یہ اظہار ہو کہ یہ والدین کی غلطی نہیں،
 بلکہ یہ غلطی اُس کی اپنی ہے۔)

پھر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے احسان ماننے کا ذکر کیا ہے، وہاں ماں باپ کے بھی احسان ملنے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ماں باپ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اوزنگ زیب نے اپنے باپ شاہجہاں کو قید کیا اور وہ اسی قید میں انتقال کر گیا۔

عزیزانِ من! یہ سب کچھ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت جہاں جہاں رہی، ان میں صرف دو تین بادشاہ ایسے گزرے جنہوں نے اسلام کو سنبھالنے کی کوشش کی، اور وہ بھی بڑی مشکل سے، اس لئے کہ وہ بڑی بڑی سازشوں کا شکار رہے۔

پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ کو دیکھو۔ جن جن لوگوں نے حکومت کی، اب تک انہوں نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی۔ ہر ایک کے دورِ حکومت میں اسلام کی بڑھکتی ہوئی گئی۔ ڈر ہے کہ ہم پھر ہندو کی غلامی میں نہ جائیں۔

آج مسجدیں بھی بنائی جا رہی ہیں، دارالعلوم بھی بنائے جا رہے ہیں۔ دینی انجمنیں بھی بنائی جا رہی ہیں، مگر نتیجہ کچھ سامنے نظر نہیں آتا، پہلے مغلوں کے دور میں ایک اکبر اعظم تھا، اب یہاں پچاس سال میں ہر دورِ حکومت میں اکبر اور جبریل پیدا ہو رہے ہیں۔ نام نہاد مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے، فرقے بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ علماء اور پیروں نے (سوائے چند ایک کے) دنیا کی ہوا و ہوس میں گرفتار ہو

کے اپنی ساری قدر گنوا دی۔ جدید نسل دین سے اتنی غافل اور بد دل ہو چکی ہے کہ وہ ان لوگوں کو دیکھتے ہی اپنا منہ پھیر دیتی ہے۔

لہذا — مسلمان در کتاب

مسلمان در گور!

(یعنی مسلمان تو بس کتابوں میں رہ گئی اور مسلمان قبر میں)

ان چند معروضات کو اس شعر پہ ختم کیا جاتا ہے کہ

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو معاف فرمادے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں، اور اسلام کی کھوئی ہوئی

عظمت واپس دلا دے، ہمیں سچا مسلمان بنا کر دوبارہ اسلام کی

عظمت عطا فرمائے۔

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں کہ اس بات کی فکر نہ کریں کہ

پورے گروہ یا پورے شہر کو مسلمان کر دیں گے۔ آپ اس شخص کی فکر

کریں جو آپ کا دوست ہے اور بھول بھٹکا ہوا ہے، تو اس کو راہِ راست

پر لا کر اپنے رب سے ملا دیں۔

اگر کوئی یہ طریقہ تبلیغ اختیار کر لے تو پھر ایک سے دو، دو سے

گیارہ ہوں گے۔ آج کے دور میں علماء اور پیر (سوائے چند ہستیوں کے

سب ہوائی گھوڑے چھوڑ رہے ہیں۔ مخلوق اپنی زندگی سے بیزار ہو چکی ہے، کیوں کہ جو رہبر تھے رہن بن گئے۔ اور دین کے قافلوں کو لوٹا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے اور ہمیں سیدھے راستے پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ ”اے اللہ! میرا حال دیکھ!“
تو جواب آتا ہے ”اپنا نامہ اعمال دیکھ!“



بِسْمِ اللّٰهِ كِي فَضِيْلَتِ اُوْر رُوْح
 شَيْخِ سَعْدِي رَحْمَتِ اللّٰهِ عَلَيْهِ كِي رُبَاعِي اُوْر
 اَمِيْر خُسْرُو عَلَيْهِ رَحْمَتِ اللّٰهِ عَلَيْهِ كِي غَزَل

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل
 قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری
 المعروف "افضل سرکار"

۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ء

نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
 اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
 نَعْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اما بعد۔

عسزبان من!

كشفت الدجى بحماله

بلغ العلى بحماله

صلو عليه وآله

حسنت جميع خصاله

یہ جو رباعی ہے آپ پڑھتے ہیں، مجھے ارشاد ہوا ہے کہ اس کی
 فضیلت بھی بیان کی جائے۔ یہ رباعی حضرت شیخ الاسلام، شیخ
 سعدی رحمت اللہ علیہ کی ہے۔ آپ نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں، جن کے

نام گلستان اور بوستان ہیں۔ جو شخص یہ دو کتابیں پڑھ لیتا ہے اس کی دنیاوی، یعنی عقلی علوم مانند پڑ جلتے ہیں۔ پہلے لوگوں میں یہ دستور تھا کہ انہیں بچپن میں مکتب میں گلستان بوستان پڑھائی جاتی تھیں۔

یہ رباعی حضرت شیخ سعدیؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہی تھی۔ حضرت امیر خسروؒ بھی بڑے پائے کے درویش اور شاعر تھے، اور دنیا بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ گلستان اور بوستان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایک گلستان بوستان لکھ ڈالی۔ وہ کتاب مرشد کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

”اے میرے قبلہ، یہ میں نے لکھی ہے“ آپ نے فرمایا: ”رکھ دو“

دوسرے دن جب وہ آئے تو دیکھا مرشد نے وہ کتاب سب کتابوں کے نیچے رکھ دی ہے۔ انہوں نے کتاب پھر اوپر رکھ دی، لیکن دوسرے دن وہ پھر سب سے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ یہ کھیل کچھ دن اسی طرح ہوتا رہا۔ حضرت امیر خسروؒ کے دل پر چوٹ لگی۔ دل میں سوچا کہ کہنا تو گستاخی ہوگی، لیکن میں ان کا محبوب ہوں۔ محبوب کی چیز تو محبوب ہوتی ہے۔ میں اوپر رکھتا ہوں، یہ نیچے رکھ دیتے ہیں۔ مرشد کو فوراً کشف ہوا اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ”ترک نہ کرے! آپ ان کو ترک نہ کرنا، کہا کرتے تھے، ایسا معاملہ نہیں ہے۔ ایں چیزے دیگر است“

شمانی دانید (یعنی یہ اور چیز ہے، آپ نہیں جانتے)۔“
یہ سن کر امیر خسروؒ کے آنسو نکل آئے۔ گھر گئے تو رات کو خواب
دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گریں۔ (کہنا تو نہیں چاہیے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو دربار ہیں۔ ہر دربار میں اپنے اپنے مرتبے
کے مطابق شخصتیں موجود ہوتی ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ اعلیٰ ترین
دربار میں موجود ہیں)۔ پھر غور کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے
یہ کون صاحب ہیں جو ایک مور چھل ہلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں
بلغ العلیٰ بجمالہ کشف الدرجی بجمالہ
حَسَنَاتٍ جَمَعُ خِصَالَهُ صَلَّى عَلَيْهِ وَآلِهِ
صبح وہ مُرشد کے پاس آئے، تو آپ نے پوچھا: ”رات کیا
دیکھا؟“ انہوں نے فارسی میں ایک غزل لکھی تھی، وہ پیش کر دی ہے
نمی دانم چه منسنزل بود شب جائیکہ من بودم
(یعنی مجھے نہیں معلوم کہ رات میں جس جگہ تھا، وہ کون سا مقام تھا)
بہر سو رقصِ بزمِ بود شب جائیکہ من بودم
(یعنی تڑپ ہی تڑپ تھی۔ وہاں سب تڑپ تڑپ کے رقص
کر رہے تھے)

پوچھا: ”آشنای تو؟“

یعنی پہچانا تم نے وہ کون تھے؟ وہ تھے شیخ سعدی شیرازی

رحمت اللہ علیہ۔“ پھر فرمایا: ”کیا تمہارے گلستان بوستان کو لے کے میں
آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کروں۔ سعدی تو ایک ہے، سعدی تو ایک
ہی ہے۔“ اس پر امیر خسروؒ نے کہا: ”حضور، غنزل کا آخری شعر
پیش ہے۔“

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکان خسرو

زمان و مکان کی بات ہے۔ اب دیکھئے وہاں ربِّ کریم ہے اور یہاں
ہم ہیں، اور اس کے درمیان اتنے عالم آتے ہیں۔ سب سے آخر میں
مقامِ احدیت آتا ہے، جہاں ربِّ کریم جلوہ گر ہیں۔

بمذبح کے بعد مکان کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے
کہ فلاں جگہ یہ حد ختم ہو گئی۔ کوئی حد نہیں۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب
سب سمت ہیں۔

تو امیر خسروؒ کہتے ہیں کہ لامکان کے اندر ایک مجلسِ حُجّی ہوئی تھی
ایک دربار لگا ہوا تھا ہے

خدا خود میرِ مجلس بود

اور اس مجلس کا سردار اللہ جل شانہ خود تھا۔

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکان خسرو

یہاں بشریت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو ایک چیز ہے لبا س،
آدم علیہ السلام نے جب جنت میں دانہ کھایا، ظاہری معنوں میں

تو یہ لباس اُتر گیا تھا۔ وہ لباس باطنی لباس تھا، رُوحی
لباس تھا۔

کہتے ہیں ے

خدا خود میرے مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

اس پر اہل مجلس سب مل کر پڑھتے ہیں ے

بلغ العلیٰ بجمالہ کشف اللہ جی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلّو علیہ وآلہ

----- ❖ ----- ❖ ----- ❖ -----

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی جَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد

عزیزانِ من!

طریقیت یا فقیری کی اصطلاح میں ایک چیز مراقبہ ہے۔ یعنی
اللہ کی یاد میں، یا شیخ کے تصور میں غرق ہو جانا۔ اس دوران یعنی
دس پندرہ منٹ کے دوران، کوئی چیز بھی جو غیر اللہ ہو، اسے دل
میں نہ آنے دے۔ سوائے اللہ کی آواز کے جو بھی دوسری آواز ہو اس پر
کان نہ دھرے، اور ربِّ کریم کی رحمت کا منتظر ہے اور یہ تبت کرے

اور دُعا کرے کہ اے اللہ! تو مجھے جو بھی انعام دے، نعمت دے، وہ ایسی ہو کہ میرے لئے نفع بخش ہو۔ اور جو نعمت مجھے مُنہ کے بل گرا دے، مجھے اس سے بچا دے۔

عزیزِ من! مراقبہ جیب شروع ہوتا ہے، تو کوئی فکر میں ڈوب جاتا ہے، خاموش ہو جاتا ہے، زبان گنگ ہو جاتی ہے اور کسی کا ذکر غلبہ پا جاتا ہے۔ اگر کسی کا ذکر غلبہ پا جائے، تو اس کی طرف خیال نہ کریں۔ اسی طرح کسی پر کوئی اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ آپ اس وقت ایسے بیٹھے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز، چاہے عمارتیں ہوں یا جو کچھ بھی ہو، حجر، شجر، ہر چیز اور آپ کے درمیان ایک خلاء ہے۔ خلاء یعنی بالکل خالی جگہ۔ آسمان سے لے کر نیچے تک، اور ہم اس خلاء کے اندر ہیں، جو کہ نور سے پُر ہے، نور کی لہریں جاری ہیں، اس کے اندر ہم بیٹھے ہوئے ہیں، اپنے شیخ کے سامنے، اور ان کے چہرے کو ایسے دیکھو کہ جیسے بلی شکار کرتے وقت سانس روک لیتی ہے اور بالکل ساکت ہو جاتی ہے۔

اس وقت آپ اپنا جسم وغیرہ، ہر چیز، یعنی ہوش، گوش، باہوش اور درست رکھیں، ادب اور محبت کے ساتھ بیٹھیں، پھر اپنے قلب کا ذکر سُنیں۔ اگر قلب ذکر نہیں کرتا اللہ کے فضل سے آپ سب کا کرتا ہے، تو زبان سے، خاموشی سے ذکر کرو، یا درود شریف پڑھو۔ یعنی

اس زبان کو مصروف رکھو اور آنکھ کو غرق کر دو۔ دید آنکھ سے ہوتی ہے، اور جس دید میں نظارہ نہ ہو، وہ دید نہیں، وہ کیا دیکھنا ہوا۔ اگر جلوہ دوست ہی نہ دیکھا تو دیکھا ہی کیا۔ تو یہ نیت رکھیں۔ چند منٹ ہوتے ہیں اگر آپ کوشش کریں تو اپنے آپ کو بالکل کٹ آف کر سکتے ہیں۔

----- ❖ ----- ❖ ----- ❖ -----

دُعا

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِكَ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آمال بعد

عزیزان من!

ہم اس جگہ پہنچ چکے ہیں، جس کے متعلق ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہم استعاراً کہتے ہیں کہ انسان درندہ ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ درندے بہت اچھے ہیں۔ درندوں کا قانون نہیں بدلنا۔ درندہ چہرہ بھاڑ بھی کرتا ہے تو اپنی حد کے اندر کرتا ہے۔ ضرورت جب اس کی پوری ہو جاتی ہے، تو پھر حملہ نہیں کرتا۔

میں کل اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ سپر ہائی وے پر ایک انسانی نعش (ڈیڈ باڈی) پڑی تھی، جس کے اوپر سے گاڑیاں گزرتی گئیں۔ یعنی اس ڈیڈ باڈی پر سے گاڑیاں گزرتی گئیں، یہاں تک وہ مسخ ہو گئی، اور یہ پہچاننا

مشکل ہو گیا کہ کس چیز کی لاش ہے۔

عزیزانِ من! یہاں تک پہنچ چکے ہیں ہم۔ یہ سب اولاد کے باپوں میں ماں باپ کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں، بدکار ہو جاتے ہیں، تو اس گناہ کا حصہ اور اس کی سزا جو ہے، وہ ماں باپ کو بھی جاتی ہے۔ اور اگر ان کی اولاد صالح ہوتی ہے، تو وہ اولاد جب نماز پڑھتی ہے یا ان کے جتنے بھی نیک اعمال ہوتے ہیں، ان میں ماں باپ کو حصہ جاتا ہے، اور جب یہ حصہ پہنچتا ہے تو وہ فخر سے اپنا سر بلند کر لیتے ہیں۔

اب دین کا یہ حال ہے کہ جب ڈاکہ پڑتا ہے، تو اگر آپ نے دروازے وغیرہ بند کئے ہوئے ہیں، انتظام پورا کیا ہوا ہے، اور اللہ کا فضل شامل حال ہے، تو وہ ڈاکو لوٹ کر جاسکتے ہیں، گھبرا کے بھاگ سکتے ہیں، مگر اندر سے چٹکنیاں ہی نہیں لگائی گئی ہوں، دروازے کھلے ہوئے ہوں، صندوقوں کے بھی تالے نہ لگے ہوں تو چور اگر اندر آتے ہیں، تو قصور کس کا، مدافعت تو ان کی کہیں نہیں ہوتی۔

اسی طرح آج اس دور میں جتنے شیطان فرقتے ہیں، یا جتنے بھی بد مذہب یا گستاخ لوگ ہیں وہ اتنی تیزی سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ آپ کو پتہ ہی نہیں چلا۔ یہ نہ تو حق کی طرف جاتے ہیں، نہ حق سننے کو تیار ہیں، تو حق کو کیسے پایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو بندے سے

فرمایا کہ: ”میں نے تجھے پیدا ہی اسی لئے کیا ہے کہ تو میری عبادت کرے“
تو جب تو نہ حق سُننے، نہ حق کی طرف جائے، تو حق کو پائے کیسے۔
یہ تو حساب کی بات ہے۔

تو اس لئے عزیزانِ من! اس وقت جو سب سے بڑی مصیبت
آئی ہوئی ہے، ایک تو شیعوہ مذہب ہے۔ جنہوں نے کافی ادھم مچاتی ہوئی
ہے۔ دوسرے مرزائی ہیں، اور ہمارے اپنے اندر جو ہیں، وہ وہابی ہیں،
ان کی زبان بہت گستاخ ہے، مُنہ اتنے پھٹے ہوئے ہیں کہ نَعُوذُ بِاللّٰهِ
مِنْ ذٰلِكَ۔ پھر ایک طبقہ غیر مقلد بن چکا ہے جو حدیث کو نہیں مانتے۔
وہ کہتے ہیں کہ جب ہمارا کام قرآن سے چل جاتا ہے تو ہمیں حدیث
وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں اور ان کی پیروی نہیں کریں گے۔ ایک چکڑالوی
فرقہ ہے۔ ایک غلام احمد پروپیٹ ہے۔ اس نے پروپیٹ فریقہ بنایا۔ جس
میں نمازیں تین رہ گئی ہیں، اور قربانی وغیرہ سب ختم۔ ادھر قادیانیوں کو
باقاعدہ جگہ دی گئی۔ انہوں نے وہ شہر بسلیا جو ”ریاست در ریاست“
ہے۔ اس میں تمام پروٹول وغیرہ ہیں۔

تو میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ آج کل بحث و مباحثہ بہت
کر رہے ہیں۔ یہ اہل قرآن جو حدیث کو نہیں مانتے، اس کے بارے میں
دو ایک چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو بتا دیتا ہوں، ایسی کہ جو تشریح کی طرح
چھبیں اور جس کا جواب وہ نہ دے سکیں۔

احادیث، فقہ وغیرہ کی لمبی چوڑی کتابیں کہاں آپ نے پڑھی ہیں، بس سیدھی بات کرو، کہو جی مٹھیک ہے، آپ کو حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ سے دو سوال کرتے ہیں، آپ حق کی بات کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ط

یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اس میں کسی کو اختلاف تو نہیں۔ تو آپ حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابیں چھوڑ کر، ہمیں قرآنی نماز پڑھ کے بتائیے۔ اور قرآنی آیات کی رو سے ایک ایک چیز یعنی سارے ارکانِ نماز ایک ایک کر کے بتائیے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ قرآن شریف کافی ہے تو آپ بتائیں کہ کہاں لکھا ہے کہ چار رکعت فرض ہیں یا اس نماز میں اتنی رکعتیں ہیں، اس میں اتنی ہیں۔ یہ وتر ہے عشاء میں۔ یہ تمام باتیں کلامِ پاک میں دکھائیے۔ وہ آیتیں بتائیے جن میں یہ ساری تفصیل ہوں۔ تاکہ ہم لکھتے جائیں۔ اور پھر ہم انہیں جوڑیں۔ فجر کی نماز سے لے کر عشاء تک۔ پھر ہم انہیں اپنی نمازوں کی تعداد سے ملا لیں گے جو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ وَالْأَزْكَوٰةُ یعنی اور زکوٰۃ دو۔ آپ ہماری فقہ یا حدیث شریف، کسی کو بھی کنسلٹ نہ کریں۔ ہمیں قرآن شریف میں سے ثابت کر دیں کہ مسجدوں میں زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ نہیں ہے۔

اور غریبوں میں کس کو دینا جائز ہے۔ یہ بکری، بھینٹ اور اونٹ جو ہیں آخر ان کی زکوٰۃ کیسے دی جائے۔ آیتیں بتائیں۔ ایسے نہیں۔

بس یہ دو چیزیں آپ کو بتا رہا ہوں ان کا منہ بند کرنے کے لئے، یہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں ضرورت نہیں، ان سے کہیں کہ دراصل آپ کو اللہ اور رسول کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے کہہ دیا ہے کہ ”اے رسول، یہ منافق جو ہیں، یہ کیا سوچتے ہیں“ دو آیتیں سورہ منافقون کی پڑھیں جو اس موضوع پر ہیں۔ یہ آیتیں یاد بھی کر لیں۔ وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَفِزُّ لَكُمْ اللهُ تَوَّارِعُوهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ غور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔ (المنافقون ۶۳ آیت)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کے بغیر میرے ہاں شنوائی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر نسبت ہوگی تو وسیلہ پیدا ہوگا اور وسیلہ ہوگا تو سفارش ہوگی۔

یہ میرے حبیب کی بات ہے۔ یہ اس نور کی بات ہے جس کو میں نے ظاہر ہونے سے پہلے تخلیق کیا تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ”تھا اللہ، اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی

اور چیز۔ جب ایک صحابی نے پوچھا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے جب کہا کہ میں جانا جاؤں، تو اس وقت جو اظہار ہوا، تو سب سے پہلے وہ کیا چیز تھی جو وجود میں آئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے جابر، تحقیق سب سے پہلے جو چیز تیرے رب نے پیدا کی، وہ تیرے نبی کا نور تھا۔“

پھر دوسری حدیث میں ہے کہ ”جب آدم علیہ السلام (جو ابوالبشر یعنی انسانوں کے باپ ہیں) ابھی آب و گل میں نہیں تھے (یعنی نہ پانی میں، نہ مٹی میں، یعنی ان کا خمیر بھی تیار نہیں تھا) تیرا نبی اس وقت بھی موجود تھا۔“

تو عزیز من! جب تک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو نہیں سمجھ سکتے، اس وقت تک تم انہیں نہیں پاسکتے۔ یاد رکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک ضروری چیزوں کو نہ سمجھا جائے، ایک خالق ہے، مالک ہے، ایک مخلوق ہے۔ خالق احدیت میں ہے، مخلوق نہیں۔ تو خالق کے علم میں اور مخلوق کے علم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خود خالق اور مخلوق کے درمیان ہے۔ وہ ہمارا پیدا کرنے والا ہے، تو ناپوکنا فرق ہے۔

پہلی چیز جو ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کسی محکمہ میں داخل ہونا ہے کسی پوسٹ کے لئے یا مقابلے کے لئے کسی قسم کا امتحان دینا ہے تو جب آپ منتخب ہو جاتے ہیں، تو اس پوسٹ کے متعلق جتنی ضروری چیزیں ہیں، ان سے

آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دین کے معاملے میں آتے ہو، تو تمہاری رکر یوٹمنٹ (بھرتی) ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو گروہ بنائے ہیں۔ ایک کو اپنی پارٹی کہا، دوسرے کو شیطان کی پارٹی۔

شیطان کی پارٹی میں کافر بھی ہیں، مشرک بھی ہیں، یعنی دو جہاں کی سب جہانتیں بھی موجود ہیں۔ تو جاننا یہ چاہئے کہ جب آپ کلام پاک کھولتے ہیں، تو شروع میں ہی رب کریم آپ پر فرض کر دیتا ہے کہ:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

آخر یہ فرض کیوں عائد کیا؟ بات یہ ہے کہ جو بادشاہ ہوتا ہے، وہ اپنی رعایا میں موجود جو چوڑا کو ہوتے ہیں، ان کی فطرت کو سمجھتا ہے۔ دیکھئے شیطان اس کا عاشق تھا، فرشتوں کا استاد تھا۔ پھر باغی ہو گیا۔ اس نے مہلت مانگی، طاقتیں مانگیں۔ آسمان اور زمین کے درمیان کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں شیطان نے سجدہ نہ کیا ہو، مگر باغی ہو گیا۔ تو رب کریم کے حکم سے جب آپ اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھتے ہیں، تو جتنا طاقتور دشمن ہو، اس سے آپ محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ آپ جب کہتے ہیں: میں پناہ مانگتا ہوں، تو رب کہتا ہے، ”میرے بندے، جو میرا ہے اس کو یہ کچھ نہیں کر سکتا، تو میری پناہ میں آ گیا“

آگے چل کر پھر آپ پڑھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس بسم اللہ میں ایک ایسا اسم ہے جس میں اس کی جمیع صفات جتنی صفات بھی ہیں وہ اسی ایک اسم میں آتی ہیں، اور وہ اسم، اسم ذاتی ہے، یعنی اللہ۔ اس میں اتنی پرفیکشن (یعنی جامعیت) ہے کہ بیان سے باہر۔

ان وہابیوں کو، جو کہتے ہیں کہ وسیلے کی ضرورت نہیں، میں انہیں کہتا ہوں کہ دیکھو، اللہ جو ہے، اس میں سب صفتیں ہیں۔ رحمن جو ہے، وہ بخشش کرنے والا ہے، جو سب کو عطا کرتا ہے۔ رحیم میں تھوڑا شک ہے کہ یہ صرف مومنوں کے لئے ہے۔ رحیمی کو جو سرکل (یعنی دائرہ) ہے، اس کا اطلاق مومنوں پر ہوتا ہے۔ اور رحمن جو ہے وہ خالق جو ہوا کل مخلوق کا، تو سب کو عطا کرتا ہے۔ اس میں آپ کو ملتا ہے، ہمیں بھی ملتا ہے۔ اللہ کا لفظ جو ہے، وہ ذات پر دلالت کرتا ہے۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ یہ ب۔ س۔ م کیسے آگئے۔ اللہ کو کیا ضرورت ہے۔

یہ اس لئے کہ اللہ کا لفظ حروف کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ، کا جو لفظ ہے اللہ۔ وہ حروف کا محتاج ہے ہی نہیں۔ میں نے کہا اللہ کا الف گراؤ تو اللہ رہے گا۔ اللہ کا لام گراؤ تو لہ رہے گا۔ لہ کا لام گراؤ تو ہو رہے گا۔ یعنی ذات وہی رہے گی۔ وہ حرف و حروف کا محتاج نہیں۔ جب وہ اتنی بڑی مکمل ذات ہے کہ جس کا ہم بیان نہیں

کر سکتے، تو پھر ب، س، م، ل لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ، رحمن
رحیم کافی تھا۔ لیکن نہیں۔ ضرورت تھی۔ میں تمہیں بتانا ہوں۔ اللہ تعالیٰ
نے یہ عالم اسباب بنایا ہے۔

ایک عالم ارواح تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے
تو انہیں کہا گیا کہ عیش کرو۔ وہ صرف خیال کرتے تو میوہ سامنے آجاتا
تھا۔ کوئی محنت نہیں، کوئی مشقت نہیں۔ فرمایا: اے آدم، تو اور حوا عیش
کرو، اور یہ مور اور سانپ تمہاری خدمت میں ہیں، بڑی شان تھی، یہ مور
اور سانپ درباری تھے۔ لیکن ان درباریوں نے دھوکہ دیا۔

تو وہاں جنت میں کسی اسباب کی ضرورت نہیں تھی۔ لہذا وسیلہ کی
ضرورت نہیں تھی۔ وسیلہ تو جب ہوتا ہے عزیزانِ من! کہ جب کسی چیز کی
ضرورت ہو کوئی کام پڑ جائے، تو مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ایک
صندوق بھاری ہو تو آپ تین بہن بھائیوں کو بلا لیتے ہیں کہ ادھر سے
پکڑو، ادھر سے پکڑو۔ یعنی ذریعہ وسیلہ کی ضرورت پڑھتی ہے۔ جبکہ
وہاں ایسی بات ہی نہیں تھی۔ تب تو رب تھا اور بندہ تھا۔ کسی کے
پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور نہ وسیلہ کی ضرورت تھی۔ جس
طرح ملائکہ ہیں، ان کا معاملہ براہِ راست ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ
آپ کو سمجھ دے۔ آمین

----- ❖ ----- ❖ ----- ❖ ----- ❖ -----

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
 أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد

عزیزانِ من!

آپ دیکھیں گے کہ جب فقراء پر داذ کرتے ہوئے جاتے ہیں، تو ملائکہ کے مختلف عالم ہیں۔ جب ان کی دنیا شروع ہوتی ہے تو ملائکہ کے مختلف گروہ ہیں اور ہر ایک کی تسبیح جدا ہے۔ وہ کورس میں تسبیح کرتے ہیں، جس طرح عربی زبان ہے یا انگریزی زبان ہے، اس کے لئے قاعدہ ہے، قانون ہے، طریقہ ہے، سلیقہ ہے۔ اس کو سکھایا جانا پڑتا ہے، کیوں کہ یہاں عالم اسباب ہے۔ جب تک آپ ٹھیک نہیں لکھیں گے غلط لکھیں گے، تو نوکری بھی نہیں ملے گی۔ فوراً کہیں گے کہ جاؤ۔ اسلئے ب، م، م، جو ہیں، ان کو جوڑنے کے لئے ربط، گرامر وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب جو آپ نے کہا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، تو پہلے آپ نے اس ذات کو پکارا، پھر اس کی صفت بیان کی۔ یعنی رحمن اور رحیم۔ تو یہ کنجیاں ہیں، جو رحمتوں کے خزانوں کو کھولتی ہیں اس لئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے والا جو ہے، اگر فجر کی سنت اور فرض نمازوں کے درمیان نوٹے دفعہ پڑھے، تو اگر وہ اس کا عامل ہے یعنی پڑھتا رہتا ہے تو اس

کی کوئی بھی ضرورت ہو، جب بھی پیش آئے گی تو اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے۔ بسم اللہ کی اتنی بڑی فضیلت ہے، اتنی بڑی برکت ہے کہ انسان بیان نہیں کر سکتا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فرعون کی شکایت کی عذاب کے لئے، تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ: اے موسیٰ، یہ جیسا ہے تو اس لائق، آپ جو کہتے ہیں ٹھیک ہے، مگر عذاب اس کے محل میں داخل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کے دروازے پہ میرا نام یعنی بسم اللہ لکھا ہوا ہے، اسی لئے اس پہ عذاب آیا تو پانی کے اندر آیا، گھر میں نہیں آیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے تو ایک قبر پہ عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے بڑا اثر لیا۔ کچھ دنوں بعد جب واپس وہاں سے گزرے تو دیکھا باغ و بہار ہے، بڑے عیش ہیں۔ آپ نے کہا۔ بارِ اللہ، جب پہلے یہاں سے گزرا تو اس پہ دوزخ کا عذاب تھا، اب جو گزر رہا ہوں تو جنت کی بہاریں ہیں۔ ارشاد ہوا۔ اے میرے پیغمبر! یہ بڑا بدکار آدمی ہے۔ اور جو عذاب اسے مل رہا تھا، وہ کم ہے۔ یہ جب مرا تھا تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ اب لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب وہ پانچ برس کا ہوا تو اسے مکتب میں بٹھایا گیا۔ اور آج جب اس کو بسم اللہ سکھایا گیا، اور وہ بسم اللہ، بسم اللہ پڑھتا

گیا، تو مجھے حیا آگئی کہ میرا اسم، میرا وہ اسم، جس کو اسمِ اعظم کہا جاتا ہے، یہ بچہ اپنی زبان پر لا رہا ہے اور میں اس کے باپ پر عذاب ڈال رہا ہوں۔ میں نے حکم دیا فرشتوں کو کہ عذاب ہٹا دو۔“

اب جب بچہ نے یہ بسم اللہ پڑھ لیا، کلامِ پاک کو سمجھنے کے لئے یا کوئی بھی کام کرنے کے لئے، تو پہلے آپ چند ضروری چیزیں اسے بتادیں گے کہ بیٹا ایسا کرنا ہے، ایسا کرنا ہے۔ تو انسان کی کہانی چونکہ لغزش سے شروع ہوتی تھی، تو ربِّ کریم تو اپنی مخلوق سے، ماں باپ سے سترگنا زیادہ پیار کرتا ہے، اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کہتا ہے کہ ”اے میرے بندے، میں یہ الحمد شریف تیرے سامنے رکھتا ہوں۔ اس میں کچھ حقہ میرے لئے ہے، کچھ تیرے لئے ہے۔ میرے لئے کیا ہے؟ حمد و ثنا۔ اور تیرے لئے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے جن پر تو نے انعام فرمایا۔

میں بغیر وسیلے والوں کو کہتا ہوں کہ شرک تو اسی میں موجود ہے۔ بات ربِّ کریم کی ہے اور بندے کی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سیدھا راستہ دکھا۔ کیا یہ کافی نہیں تھا؟ لیکن کہا نہیں۔ سیدھا راستہ بھی میں تمہیں بتا دوں تاکہ اس میں گول مول نہ کر بیٹھنا۔ سیدھا راستہ۔ وہ لوگ

جو میسے انعام یافتہ ہیں۔ جن پر میں نے انعام کیا۔ ان کی پیروی کرنا، ان کے راستے پر چلنا تم۔ یعنی وسیلہ یہاں بھی رکھ دیا۔ انعام یافتہ لوگوں کا وسیلہ۔ جن میں انبیاء علیہم السلام آتے ہیں، اولیاء کرام آتے ہیں، سب جتنے بھی ہیں۔ یا پھر یہ آیت نکال دو۔

یہ تو مجمل قرآن ہے۔ مختصر قرآن ہے۔ پھر جب تو کہتا ہے کہ سیدھا راستہ دکھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میسے بندے، میرا سارا قرآن تیرے سامنے ہے۔ یہ خزانہ ہی خزانہ ہے۔ سرچشمہ فیض ہے۔ یہاں سے جتنا جی چاہے اور جب جی چاہے لے جاؤ۔“

تو میں ان کو کہتا ہوں کہ جب ایک سوال آپ کر چکے، دوسرا کریں، زیادہ نہیں، لمبی چوڑی نہیں۔ طریقوں کی ضرورت نہیں۔ ان کو گردن سے پکڑ لیا کرو۔ ان کو کہیں کہ قرآن شریف کے اندر اللہ تعالیٰ نے سور کے گوشت کو تو حرام قرار دیا ہے۔ ہمیں دکھاؤ کہ گدھے گھوڑے وغیرہ کا گوشت اس میں کہاں حرام کیا ہے۔ سور کی کلاہی تو حرام نہیں کی، گوشت کو حرام کیا، تو تم اس کی کلاہی کیوں نہیں کھاتے۔ گدھے کے کباب بنا کے کھاؤ، بڑے مزیدار ہوں گے۔ تمہیں ضرورت ہے، کیونکہ تم ڈوبے ہوئے ہو۔ تمہاری عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ بس یہ دو دلیلیں۔ زیادہ نہیں۔

اور دوسرا میں نے یہ بتایا کہ جب تمہیں وسیلہ کی ضرورت نہیں،

لیکن تمہارا رب تو کہتا ہے کہ تم ان کے راستے پر چلو۔ اب بتاؤ کہ تم کدھر جاؤ گے، تمہارا رب تو یہ کہتا ہے۔ یا پھر قرآن شریف سے بھاگ جاؤ۔

عزیزانِ من! یہ بات نکتے کی ہے۔ ”جب تک آپ حقیقتِ محمدیؐ سے بھی آپ واقف نہیں ہوں گے“ اور پھر آپ کا ایمان بھی اس حدیث کے مطابق تکمیل نہیں پاسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تک تم اپنی اولاد، اپنے ماں باپ ہر چیز سے زیادہ عزیز نہیں جانو گے، تمہارے ایمان کی تکمیل نہیں ہوگی۔“

ایمان کیا چیز ہے؟ ایمان محبت ہے۔ اور محبت کس سے؟ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کیسے پائی جائے۔ یہ عالم اسباب ہے۔ اس میں دلیلوں سے بات طے ہوتی ہے۔ آپ کی دلیل زور دار ہے اور ہماری دلیل کمزور ہے، تو ہم مار کھا گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں بھی علم کے لئے درجہ بندی کر دی۔ یعنی دو علوم ہیں۔ ایک ظاہری ایک باطنی۔ تقربِ الہی کے لئے، اللہ تک پہنچنے کے لئے جو راستہ ہے، وہ طریقت کا راستہ ہے۔ اور یہ جو علم فرض کیا گیا ہے، یہ نہیں ہے کہ آپ ہزار ہزار صفحہ کی کوئی سو پچاس کتابیں پڑھ لیں۔ جو ضروری علم ہے جیسے دین کے پانچ ارکان وغیرہ۔

یہ ہے ضروری علم۔

اللہ تعالیٰ جگہ جگہ فرماتا ہے: **وَاذْكُرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا مِّنْ نَّفْسِكُمْ تَفْلِحُونَ**
یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ ”تم اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگ
جائیں، مجنوں کہنے لگ جائیں“

پھر تم کیسے کرو گے یہ؟ عمر تو تھوڑی ہے۔ اور علم میں تو اب لاکھوں
کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس علم کو تو بڑی وسعت ہے۔ اور پھر جس
بات کے لئے حکم ہے وہ کلا پاک میں بھی ہے اور حدیث شریف میں بھی
کہ جس کے گلے میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حدیث شریف میں بھی یہ ہے کہ ”جو اس دنیا میں اندھا مرا وہ آخرت
میں بھی اندھا اٹھے گا۔ یہ عالم مکافات ہے۔ یہاں آپ نے بونا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قدسی ہے: **الدُّنْيَا مَزْرَعَةٌ الْآخِرَةُ**
یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو بوو گے وہ کاٹو گے“

تو عزیزانِ من! اس چیز کو سمجھنے کے لئے علم باطنی کی ضرورت
ہے۔ اور اس لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بائے میں
کہا: **الْإِنْسَانُ سِرِّيٌّ وَأَنَا سِرُّهُ** یعنی انسان میرا بھید ہے
میں اس کا بھید ہوں۔ بہت بڑی بات ہے یہ۔ انسان جب اس
کو پڑھتا ہے، تو سرسری طور پر، عقلی طور پر پڑھتا ہوا گزر جاتا ہے۔

جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ لیکن گورنر اگر یہ کہہ دے کہ میں اسے بڑا بڑا عزیز سمجھتا ہوں، تو جب تک یہ خبر دس گھروں میں سنا کے نہ آئے تو اسے چین نہیں آئے گا، حالانکہ گورنر بھی مرنے والا ہے، مٹی میں جانے والا ہے۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ لیکن اس سے اسے جو ظاہری فائدہ نظر آتا ہے، یا دنیا کی نگاہوں میں وہ معزز ہو جاتا ہے باعزت ہو جاتا ہے، بس وہی اس کے پیش نظر ہے۔ یہ جو جانور ہیں۔ مثلاً گھوڑا جو ہے وہ ایک خاص وزن اٹھا سکتا ہے، دوسرا اس سے زیادہ۔ اس طرح آدمی ہیں۔ جو تکلیف اور مصائب ایک آدمی اٹھا لیتا ہے، وہ دوسرے پر پڑیں تو وہ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کی ایک Capacity (یعنی گنجائش یا صلاحیت) ہوتی ہے۔ اس گنجائش یا صلاحیت کے مطابق وہ اپنا کام کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا بھید کہا، تو اس بھید کے لئے آپ کلام پاک کی ایک آیت شریف دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ط یعنی آپ سے سوال کرتے ہیں روح کیا چیز ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ط۔ آپ ان کو جواب دیں کہ روح اللہ کا امر ہے۔

اور تمہیں اس کا تھوڑا علم دیا گیا۔

تو میرا بھید ہے اور روح ہی تو وہ بھید ہے۔ اگر روح بھید نہ ہوتی تو سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حالانکہ جب آدم علیہ السلام کا پتلا رکھا ہوا تھا، تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سجدے کا حکم دے سکتے تھے لیکن نہیں۔ کہا کہ جب میں اپنی مقدس روح پھونک چکوں، جب یہ فعل مجھ سے سرزد ہو جائے، یہ کرم میں فریادوں تو پھر تم فوراً سجدے میں گر جانا۔ یعنی سجدہ اس نور کو ادا کرنا۔

یہ بھید جو ہے۔ آپ دیکھیں آپ اپنے بچے کو پڑھاتے ہیں، درجہ بدرجہ۔ وہ جب ایم اے پاس کرتا ہے، تو پھر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ آپ اسے کہیں کہ پی ایچ ڈی کرو۔ یعنی ریسرچ کرو، تحقیق کرو۔ یہاں ایک نکتہ ہے۔ اس طرح شریعت کے ارکان ہوتے ہیں۔ جب ان کے پابند ہو جاتے ہیں، تو اگر ذوق ہو تو چین نہیں آتا۔ ایک تڑپ اور بے چینی سی رہتی ہے کہ کچھ اور پتہ لگنا چاہیے اس میدان میں۔ یہ بات تو کچھ چھپی چھپائی ہے۔ اس چھپی چھپائی بات کو بھی حاصل کرنا چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ”میں نے تجھ کو پیدا ہی کیا ہے اپنی عبادت کے لئے“ پھر دوسری جگہ فرمایا: الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا يَعْنِي مَوْتَ أَوْ زِنْدَاقِي اس لئے پیدا کی کہ وہ تمہیں چائے، ٹیسٹ کرے کہ تم میں سے نیک کام کون

کرتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط
یہ نہ سمجھنا کہ تم زچ جاؤ گے۔ قبر میں تمہارا حساب کتاب ہوگا۔ اور تم
زچ جاؤ گے۔ قبر میں تمہارا حساب کتاب ہوگا۔ اور تم جو بڑے بادشاہ
یا طاقتور ہو، تو دکھا دینا۔ اس وقت اپنی طاقت۔ انکار کر دینا کہ
میں نہیں مرتا۔ اور انکار کر دینا کہ میں قبر میں نہیں جاتا۔ منکر نکیر جب
آئیں تو کہہ دینا کہ میں جو اب نہیں دیتا۔ ہم بھی دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ بڑے عجیب انداز میں فرماتا ہے کہ یہ اب ایسی باتیں کرتا
ہے، لیکن ایک وقت تھا کہ اس کا نشان بھی نہیں تھا۔ پھر یہ بنا۔ یہ بنا اور
یہ بنا۔ دیکھئے اتنی ترغیب دیتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کو۔ اس کی کرمی پر انسان
اگر سوچے اور دل کی نگاہوں سے دیکھے تو شرم کے مارے مٹی ہو جائے۔ اتنا
کہنا کہ تم میری یاد کرو، میں تمہاری یاد کروں گا۔ یہ اپنائیت، یہ انعام،
یہ شرف، یہ عزت، یہ عظمت۔ اللہ اللہ، کیا کرمی ہے۔

بندہ جو یہاں ہے، وہ بشری کردار میں ہے، اس لئے اس کا بھید صرف
اللہ ہی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے، ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں
رکھے اور آپ سب کے دلوں کو اپنی اور اپنے حبیب پاک کی محبت سے
منور اور شاداب رکھے۔ آمین۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

- :- -

غیر مقلد

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قاری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار“

۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء

نَعْمَدُهُ وَنُصَائِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
اعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
نَعْمَدُهُ وَنُصَائِي عَلَى حَبِيبِهِ الْكَرِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَمَّا بَعْدُ

عزیزان من!

جوبات اب آپ کے سامنے پیش کی جائے گی، وہ کوئی نئی
بات نہیں۔ یہ سب علم موجود ہے۔ لیکن نہ تو کوئی اس کا متلاشی ہے اور
نہ کسی کو اس کی فکر ہے۔ کیوں؟

اس لئے کہ انسان اپنی آخرت سے بے خبر ہے۔ اس بارے
میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ حضور یہ کیسے پتہ

چلے کہ آخرت کے اوپر میرا ایمان ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تجھے ہر وقت موت کا خوف رہے گا“ یعنی تم نے جانا ہے اور حساب دینا ہے۔

آج مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتنے فرقے ہو گئے ہیں کہ ہر فرقے کے عالم نے دھواں دار تقریریں کر کے اور قلم کے زور سے مقالے لکھ کر، کتابچے اور کتابیں لکھ کر، اور اصطلاحات شرعی وغیرہ کا غلط استعمال کر کے، غرضیکہ ایک میدان جنگ گرم کر رکھا ہے۔ جس سے مسلمان ابھی تک نجات نہ پاسکے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن پہلے شدت اتنی نہ تھی جتنی اب ہے۔ پہلے فتنہ اگر اٹھتا تھا تو اس کو دبا دیا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے لیکن ان میں نجات پانے والا صرف ایک ہوگا“

عرب قوم بڑی جھتی ہے۔ دلیل کے بغیر بات نہیں مانتی۔ یا نکتہ میں نکتہ ضرور نکالے گی۔ فوراً ایک صحابی نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو تہتر فرقے ہیں، ان میں نجات پانے والا جو آپ کہتے ہیں، وہ کون سا فرقہ ہے؟“ آپ نے فرمایا ”جو میری سنت پر قائم ہے“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو میری حدیث پر قائم ہے۔ لاکھوں حدیثیں ہیں، پھر تو سوال ہی نہیں۔ تو آج بھی خوش قسمت ہے وہ شخص جو صحیح العقیدہ مسلمان کے گھر پیدا ہوا اور جسے ماں باپ نے صحیح عقیدے کی تعلیم و تربیت دی، اور کل وہ قیامت کے دن اس تربیت کے عوض ٹاپ (Top) کرنے کا حق دار ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ انعام دے گا۔ اس اولاد کو جو نیکیاں یہاں کرے گی، وہ اس دُنیا میں ہوگا اس کو اس کا حصہ ملتا رہے گا، اور جو بدی کرے گی، اُن کو تربیت نہیں دی ہوگی۔ تو جو وہ گناہ کرے گی اس کو اس کا حصہ وہاں ملے گا۔

تو مختلف فرقے ہیں۔ میں آج ایک فرقے کا ذکر کرتا ہوں، جسے غیر مقلد کہتے ہیں۔ یہ غیر مقلد ایک عجیب چیز ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں، باقی کسی چیز کو نہیں مانتے۔ جھگڑا ہی ختم۔ یعنی ہم قرآن کریم کو مانتے ہیں، باقی کسی کی ہمیں ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ سب چیزیں قرآن میں ہیں۔

چھوٹی چھوٹی باتوں سے جواب دیا کرو۔ علامہ بن کے جواب نہ دو۔ کیونکہ پھر دوسرا بھی علامہ بن جاتا ہے۔ پھر بات کہیں رکتی نہیں ہے۔ جب سوال کو سوال سے جواب دیا جاتا ہے، تو اس سے سوال کرنے والا پریشان ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس نے کہا ضرورت نہیں ہے، تو آپ نے کہا باسکل

ٹھیک ہے۔ آپ یہ تو مانتے ہیں کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار جگہ کہا ہے کہ:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر کی گئی ہے کہ جہاں صلوٰۃ کا ذکر ہے وہاں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ اس لئے کہ صلوٰۃ بدن اور رُوح کو پاک کرتی ہے اور زکوٰۃ آپ کے مال کو پاک کرتی ہے۔ آپ ہر طرح سے پاکیزہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اللہ پاکیزہ ہے، اس کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز قبول کرتا ہے۔“ اس لئے اس نے حلال روزی سچت تکبیر کی ہے۔

تو اب وہ جو کہتا ہے کہ ہاں کلام پاک میں یہ آیت شریفہ ہے اس سے پوچھیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ یعنی قائم کرو نماز کو۔ وَآتُوا الزَّكَاةَ یعنی زکوٰۃ دو۔ ان سے پوچھئے کہ جب آپ سب کچھ قرآن سے لیتے ہیں، تو پھر حدیث شریف یا فقہ کی کتاب وغیرہ کی طرف بالکل نہ آئیے۔ جب سب کچھ قرآن میں موجود ہے، تو ہم آپ سے کہتے ہیں کہ قرآنی نماز ذرا پڑھ کے دکھا دیجئے گا۔ اور ہمیں یہ بتائیے کہ قرآن پاک میں یہ کہاں لکھا ہے کہ ہاتھ کس طرح اٹھائیں اور کیسے بانڈھیں۔ قرآن شریف میں یہ کہاں لکھا

ہوا ہے کہ پہلے تم میری ثنا بیان کرو، پھر میری حمد بیان کرو، پھر کوئی سورہ قرآنی پڑھو۔ اور یہ پڑھنے کے بعد پھر تم رکوع میں چلے جاؤ۔
 اس اینگل میں کہ پانی کا پیالہ اگر تمہاری پیٹھ پر ہو تو ہلے نہ، یہ بتائیے کہ اس طرح کا اینگل بنانا اور پھر اس میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ** کہنا۔ اسی طرح **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى** کہنا، یہ جتنے ارکان ہیں، آپ صرف اتنا ہی دکھادیں کہ قرآن پاک میں کہاں لکھا ہوا ہے۔ اگر آپ بتا سکتے ہیں تو ہمارا یقین ہو جائے گا کہ قرآن شریف کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اس کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ہے۔ آپ بتائیے کہ ڈھائی فیصد سونے چاندی کی جو زکوٰۃ دینی ہوتی ہے، اس کے علاوہ جو مال مویشی، روپیہ، جائیداد وغیرہ، اتنے جو بکھیرے ہیں، ان پر جو زکوٰۃ دینی ہوتی ہے، یہ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہوا ہے؟ پھر زکوٰۃ کے حق دار اور ان کی درجہ بندی، یہ ساری تفصیلات۔ یا ایک شخص ہے، اس نے قرضہ لے رکھا ہے، وہ زکوٰۃ کیسے دے، کتنی دے؟ اگر وہ قرآن پاک میں یہ تفصیلات نہ دکھا سکیں، تو ان سے پوچھئے کہ آپ پھر یہ ظلم کیوں کرتے ہیں۔ یہ آپ کو کس نے بتایا ہے کہ اسلام کے اوپر یہ ظلم کریں۔

یہ میں بالکل چھوٹے چھوٹے سوال بتا دیتا ہوں، جو روزمرہ

پیش آتے ہیں۔ ملتے علامہ بننے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ جب آپ سے ملیں گے اور آپ کو کہیں گے کہ جی، یہ اللہ تعالیٰ خود کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا، کسی غیر سے نہ مانگو۔

آپ کہیں گے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کو اگر ایک تسمے کی بھی ضرورت ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ لیکن اگر اس حدیث کو یہیں ختم کر کے آگے بڑھیں گے تو آپ کے پتلے کچھ نہیں پڑے گا۔ پھر آگے بھی ایک حدیث آتی ہے۔ وہ کیا؟

فرماتے ہیں اللہ موطنی انا قاسمًا ”یعنی اللہ عطا کرنے والا ہے، میں اس کے خزانے کا بانٹنے والا ہوں“ مانگو اس سے۔ ویسے دے کے مانگو، یعنی نبی کا یا ولی کا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ویسے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ خود موجود ہے۔

آپ کہیں گے کہ اگر یہ بات تھی تو اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں یہ کیوں کہا ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو!“

اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ نماز جو ہے یہی وسیلہ ہے، تو آپ کہیں گے کہ یہ ایسی کوئی چیز نہیں۔ اگر یہی بات تھی تو سورۃ الحمد شریف جو نازل کی ہے، جس سے قرآن شروع ہوتا ہے۔ اس میں مختصر اصلی قرآن ہے،

اور باقی کا قرآن اس کی تفسیر ہے۔ اس میں سات آیات ہیں۔ اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ دُعا بھی ہے، حمد بھی ہے۔ جب شروعات کرتے ہیں، اور جب ختم کر چکے ہیں، تو عرض کیا کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ط

یعنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اقرار ہو گیا۔ اب عرض پیش کی، مضمون میں جو عرض سامنے آئی وہ کیا ہے عرض کی۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ط

یعنی ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

بات کافی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا سیدھا راستہ، تو اس کی وضاحت کی کیا ضرورت تھی کہ :

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ط

یعنی ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اور وہ کون لوگ ہیں؟ انبیاء ہیں، اولیاء ہیں اور اللہ کے

منقول بندے ہیں۔ یعنی ان کے راستے پر چلا إِهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيمَ کہنا کافی تھا۔ یعنی ہمیں سیدھے راستے پر چلا تو صِرَاطَ

الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے آپ

نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو ڈھونڈیے کہ یہ لوگ کون ہیں، جن پر انعام ہوا ہے۔ اولیاء ہیں، انبیاء ہیں، جو کچھ بھی ہیں ان کو ڈھونڈیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۙ

یعنی نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب ڈالا ہوا ہے اور جو گمراہی میں ہیں۔

پھر آپ کہتے ہیں امین۔ یعنی آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر اولیاء کرام اور انبیاء کرام کی فضیلت کی ضرورت نہ ہوتی اور صرف قرآن کافی ہوتا تو پھر یہاں ان کا ذکر کرنا ضروری نہ ہوتا۔ یعنی بس قرآن پڑھ لو۔

اب قرآن میں اوامر اور نہی، یعنی یہ کرو، یہ نہ کرو۔ پوری تفصیلاً ہیں۔ لیکن آپ ان چیزوں کو کیوں طلب کرتے ہیں۔ ان کے پاس کیوں جانا پڑتا ہے؟

بات یہ ہے کہ اللہ کے جو پیارے ہیں، یہ قرآن کے ظاہر ہیں۔ اور قرآن کا جو باطن ہے، وہ نبیوں کے سینے میں رکھا گیا ہے۔ ان کے سینے میں مخفی ہے۔ اور نبی کا سینہ جو ہے، مرتبہ کے اندر عرش سے بہتر ہے۔ یہ بڑی مقدس چیز ہے، اور ایسی مقدس جگہ رکھی گئی ہے۔ تو ادھر کیوں ڈھونڈتا ہے۔ یہ انْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہاں سے آگیا۔

بِسْ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ كافی تھا، یعنی میں سیدھے راستے پر چلا۔ وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ تو اگر وسیلہ کی ضرورت نہیں، تو یہ ہماری انتہائی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ابتدائی وسیلہ سے شروع کی ہے۔

اگر میاں بیوی آپس میں نکاح نہ ہوں تو تمہارا وجود کہاں سے آتا، پھر اگر ماں کا پیٹ نہ ہوتا تو تم تو مہینے رہتے کہاں؟ پھر تمہاری روزی کا وسیلہ بھی ماں باپ کو بنایا۔ جب تم پیدا ہوئے تو بے بس تھے۔ تمہیں دھویا نہلا یا گیا۔ مبارک سلامت دعائیں ہوئیں تین چار سال تک پٹ پٹ کرتے ہوئے چلتے رہے ہو، انگلی پکڑ کے پھر تم نے یہ سارے وسیلے کیوں اختیار کئے؟ اس لئے کہ شروع سے قدرت نے تمہیں دکھا دیا کہ جس میں تم آئے ہو، یہ عالم اسباب ہے۔ اس میں کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اور میری رحمت و کرم تم پر ہوگا۔ اس کی برکت سے تمہارے کام ہوں گے۔

تو یہ تمہیں بتانا تھا کہ تین چار سال تک کی عمر تک تم بغیر سہارے وسیلے کے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آگے تمہیں ہر شعبہ میں بتایا گیا۔ اگر دنیاوی علم لینا ہے، تو اسکول جانا پڑتا ہے۔ وسیلہ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے، سب کچھ کر سکتا ہے۔ دینی علم ہے تو عالم کے پاس

جانا پڑتا ہے۔ اگر باطنی علم حاصل کرنا ہو تو مرشد کے پاس جانا پڑتا ہے۔ غرضیکہ جو علم بھی حاصل کرنا ہو، وہ بغیر وسیلے کے آپ کو قطعاً نہیں مل سکتا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وسیلے کی ضرورت ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ کہنے کا ہے کہ لوگ حرامی پیدا ہو سکتے ہیں۔ ماں باپ کی ضرورت نہیں۔ وہ آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔ جب ضرورت ہی نہیں اللہ کو ساری قدرت موجود ہے، تو پھر ماں باپ کہاں سے بیچ میں آگئے۔ اس طرح کاٹیں، ٹکڑے ٹکڑے، سوال جواب کر کے۔

مکمل انسان اگر کوئی ہے، تو وہ مکمل انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیسے؟ اس کا ثبوت کلام پاک میں ہے۔ اسوۂ حسنہ تمھاری پیروی کے لئے پیش کر دیا۔ جو بہترین اور مکمل نمونہ ہے یعنی نبی کا نمونہ مکمل۔

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، ازدواجی تعلقات سمیت اپنی حیات مبارکہ کے تمام معاملات امت کے لئے بطور نمونہ ظاہر فرما دیئے۔



حج اور حاجی

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قاوری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار“

۷ مئی ۱۹۹۴ء

نَحْمَدُكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امالید

عزیزان من

آج کل بڑی ریل پیل ہے، رونق لگی ہوئی ہے، کس چیز کی رونق ہے
حاجیوں کی رونق۔ آج کل حج جو ہے، وہ نوے فیصد یا اس سے زیادہ
ایک چکر لگانے کی رسم، یا دوڑ لگانے کی رسم یا کنکریاں مارنے کی رسم
کے ادا کرنے کی کہتے ہیں۔

مجھ سے کئی سال پہلے ایک صاحب نے سوال کیا کہ باباجی، یہ کیا
بات ہے کہ آدمی حج کرنے سے پہلے اچھا بھلا ہوتا ہے، لیکن جب حج

کر کے واپس آتا ہے تو بالکل شیطان بن جاتا ہے۔ یعنی اس کو حاجی کہنا حج کی توہین ہے۔ وہ پا جی ہو جاتا ہے۔ سوائے چند خوش قسمت لوگوں کے۔

یہی نے کہا، عزیز من! نفس اور شیطان ساتھ جاتے ہیں۔ حاجی جب جہاز یا ہوائی جہاز پہ بیٹھتا ہے، تو شیطان اس جگہ موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوست کے انتظار میں ہوتا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا دوست کمائی کرنے گیا ہوا ہے اور مجھے ڈاکہ ڈالنے میں مزا آئے گا۔

میں نے اس سے کہا کہ جب دنیا والے کسی چیز کی اصلیت جاننا چاہتے ہیں، تو مختلف لیبارٹریز میں متعلقہ چیز کے نمونے بھجوتے ہیں اور ان کی رپورٹ حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ مدینہ شریف بھی ایک لیبارٹری ہے۔ یہاں دنیا بھر سے مسلمان آتے ہیں، اور یہاں ان کے ایمان کا ٹیسٹ کر کے ان کے ساتھ رپورٹ لگا دی جاتی ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ زانی، بدکار، شرابی، رشوت خور اور وہ جن کا سارا کاروبار ہی سود پر چل رہا ہے، بالفاظ دیگر ساری کمائی حرام کی ہے، وہ اس سے حج کرتے ہیں، یعنی حرام میں سے حلال نکالتے ہیں۔
تو عزیز من! حج تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بڑی نعمت کے طور پر عطا کیا ہے، ادھر وہ حج کرتا ہے تو وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا

ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور جب وہ روضہ اطہر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری دیتا ہے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کی شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں ایک نکتے کی بات ہے کہ یہ سب کچھ تب ہے جب کمائی حلال کی ہو۔ دوسرا یہ کہ سارا حج انتہائی صدق و سچائی سے ہو۔

یاد رکھو کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص جیسی وہ نیت کرتا ہے اس کو پھل ملتا ہے۔ نیت سے ہی عمل کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

جب یہاں سے جاتے وقت ایک شخص کے دل میں نفسانی خواہش موجود ہو کہ حج کے بعد آکر وہ شراب بھی اسی طرح پیئے گا اور اپنے اوقات بھی اسی طرح گزارے گا، تو پھر اسے حج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

عزیزانِ من! ایک توجیح جسمانی ہے جسے جو بھاڑے کا ٹٹو ہے، جس کو آپ لے کر جاتے ہیں، وہ طواف کرتا ہے۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کہتا ہے۔ صفا و مروہ میں سعی کرتا ہے، کنکریاں بھی مارتا ہے چھوٹے اور بڑے شیطان کو، لیکن درحقیقت خود مجسم شیطان ہوتا ہے۔ اس کی کوئی صحیح معنوں میں نیت نہیں ہوتی۔ نہ توبہ کی اور نہ اس بارے میں کہ میں حج

سے آتے، ہی تیک بن جاؤں گا، بُرے کام نہیں کروں گا۔ تو میں نے کہا کہ جب وہ اس صورت میں واپس آتا ہے اور جو کچھ بھی تھوڑی بہت کماٹی کر کے آیا، ہوگا نیکی کی، تو جب وہ یہاں جہاز سے اُترتا ہے، تو اس کا دوست شیطان اپنی اولاد کے ساتھ کھڑا ہوا ہوتا ہے۔ بس اشارہ کرتا ہے کہ اپنے شکار کو بکڑ لو۔ چنانچہ ہر ایک بغل گیر ہوتا ہے اس سے اور مبارک باد دیتا ہے کہ شاباش شاباش، اور پھر وہ گمراہیوں کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے۔

ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمت اللہ علیہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا، کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا کہ حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جنید رحمت اللہ علیہ نے فرمایا، کیا حج کر لیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، جب تم اپنے مقام سے چلے تھے، یعنی اپنے وطن سے کوچ کیا تھا، تو کیا اپنے گناہوں سے بھی کوچ کر لیا تھا؟ وہ خاموش ہو گیا، پھر لولا نہیں۔ فرمایا پس تم نے پھر کوچ ہی نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ جب تم گھر سے چلے تھے اور ہر منزل پہ رات کو قیام کیا تھا، تو کیا تم نے راہِ حق یعنی طریقت کے مقام بھی طے کئے تھے کہ نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر تم نے کوئی منزل طے ہی نہیں کی۔

پھر فرمایا جب تم نے میقات سے احرام باندھا، کیا تم اپنی بشری صفات سے بھی جدا ہوئے تھے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پس تم

محرم بھی نہیں ہوئے۔ پھر فرمایا، جب تم نے عرفات میں وقوف کیا تھا، تو مجاہدہ کے کشف میں وقوف ہوا تھا کہ نہیں؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا تمہیں عرفات کا وقوف بھی مسٹر نہیں آیا۔

پھر فرمایا جب تم مزدلفہ میں اترے اور تمہاری مُراد بھرا آئی تھی، تو کیا تم نے اپنی تمام نفسانی مرادوں کو چھوڑ دیا تھا کہ نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پس تمہیں مزدلفہ کا نزول بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا، تو اس سر کی آنکھوں سے مقام تعظیم حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو دیکھا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا، تو بس تمہیں طواف بھی حاصل نہ ہوا۔

پھر فرمایا، جب تم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی، تو صفا کے مقام اور مروہ کے دُجے کا ادراک کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو بس تم صفا و مروہ نہیں گئے۔ پھر فرمایا، جب منیٰ میں آئے تھے، تو کیا تمہاری ہستیاں تم سے جدا ہو گئی تھیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا، ابھی تم منیٰ نہیں پہنچے ہو۔

پھر فرمایا، جب قربان گاہ میں تم نے قربانی کی تھی، تو کیا اپنی نفسانی خواہشات کی بھی قربانی کی تھی؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا، پس تم نے قربانی بھی نہیں دی۔ پھر فرمایا، جب تم نے پتھر ماسے ٹھنڈے یعنی شیطان پر کنکریاں پھینکی تھیں، تو کیا اس وقت جو تمہارے ساتھ نفسانی تمنائیں تھیں

ان سب کو بھی پھینکا تھا، اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی تم نے پتھر بھی نہیں پھینکا، اور حج بھی نہیں کیا۔ لوٹ جاؤ، ان صفات کے ساتھ پھر حج کرو اور مقام ابراہیم کو پہنچو۔

عزیزانِ من! اہلِ ظاہر کا حج اور ہے اور اہلِ باطن کا حج اور ہے۔ اہلِ ظاہر ان عمارت کو دیکھ کر اور ارکان کو ادا کرنے کے بعد سمجھتا ہے کہ حج ادا ہو گیا۔ مگر روحانی حج تو اولیائے کرام کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ یہ جب جاتے ہیں تو ان کی پذیرائی اس طرح ہوتی ہے کہ ملائکہ نور کے خوان ان پہ انڈیلتے ہیں۔ مرحبا مرحبا کہتے ہیں۔ فضائیں خوشبوؤں سے رچ بس جاتی ہیں۔ خانہ کعبہ بھی اشتیاق میں تڑپ رہا ہوتا ہے، کیونکہ دوست کا دوست آ رہا ہے دوست کے گھر۔ یاد رکھو، یہ بات کہنے کی نہیں کبھی کبھی کوئی بات زبان پہ آتی ہے تو لوٹ کے واپس جاتی نہیں۔ لہذا کہہ دیتا ہوں میری پکڑ نہ کرنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج ادا کرتے ہیں پھر ملائکہ حج ادا کرتے ہیں۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواح مبارکہ حج ادا کرتی ہیں۔ اس کے بعد جتنے اولیاء کرام جو زندہ ہیں یا جو اس دنیا سے جا چکے ہیں، ان کی ارواح مبارکہ طواف کرتی ہیں اور حج ادا کرتی ہیں۔ اس کے بعد عام مخلوق کے حج کا آغاز ہوتا ہے۔

عزیزانِ من! جو اہلِ اللہ ہوتے ہیں، جو عشاق ہوتے ہیں، اکثر

دیکھا گیا ہے کہ وہ وہاں پہنچے، اور ایک جذبے کا شکار ہو گئے اور شکار ہوتے ہی وصل کی حالت میں پہنچ گئے۔ وہ پھر دوبارہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آئے۔

حضرت فضیل بن ایام رحمۃ اللہ علیہ، جن کا اسم گرامی ہمارے شجرہ شریف میں بھی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کوچ کے دوران دیکھا جو سر کو جھکائے بالکل خاموش کھڑا تھا۔ تمام لوگ دعاؤں میں مشغول تھے۔ ہر طرف ایک شور و غوغا تھا۔ ہر شخص اپنے ارکان ادا کر رہا تھا، لیکن وہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا، اے نوجوان تو بھی کیوں دعا اور خوشیوں میں مشغول نہیں ہو جاتا؟ وہ کہنے لگا کہ مجھ پر وحشت سی طاری ہے۔

یاد رکھو، منازل کے اندر ایک منزل آتی ہے جہاں استغراق گھیر لیتا ہے انسان کو۔ اسی طرح ایک مقام ہیبت بھی آتا ہے، ایک مقام حیرت بھی آتا ہے۔ اتنے مقامات ہیں۔ اور جو مجاہدہ وغیرہ کرتے ہیں، ان تمام مقامات کو پروانہ کے ذریعہ طے کرتے ہیں۔ ان مقامات میں رہ کر ان مقامات کا مجاہدہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ نوجوان یا تو ہیبت کی منزل میں تھا یا حیرت کی منزل میں یا کسی ایسی ہی دوسری منزل میں پہنچا ہوا تھا۔ اور پھر جب یہ صورت ہوتی ہے تو زبان گنگ ہو جاتی ہے اور آنکھ کھلی کی کھلی رہ جاتی ہے۔ دل دوست کے ذکر میں اس طرح

تڑپتا ہے جس طرح مچھلی خشکی پہ تڑپتی ہے۔ وہ وصل کی لذت میں درد و کرب کو بھول جاتا ہے چونکہ وصل کی لذت سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں۔ تو وہ کسی ایسی ہی منزل میں پہنچا ہوا تھا جہاں اس پر وحشت طاری ہو گئی تھی، اور دعا وغیرہ کا جو وقت تھا وہ اس سے فوت ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ کہنے لگا کہ میرے لئے دعا کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ میں نے کہا، تم دعا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ اس جمع کی برکت سے تمہیں تمہاری مُراد تک پہنچا دے۔

اب غور سے سُننا۔ عاشقوں کی باتیں جو ہیں، اس کی لذت عاشقوں کو یاد رہتی ہے۔ اس کا لطف عاشق کو ہی آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس نے چاہا کہ ہاتھ اٹھا کے دعا کرے، لیکن اس کے اندر سے ایک نعرہ بلند ہوا اور اس نعرہ کے ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔ یہ بھی حج کرنے گیا تھا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے منیٰ میں ایک نوجوان کو دیکھا جو سکون کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ تمام لوگ اپنی اپنی قربانیوں میں مصروف تھے۔ میں نے اس پہ نگاہ رکھی کہ وہ کیا کرتا ہے اور وہ ہے کون۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نوجوان کہنے لگا، بار خدایا، اس وقت تمام لوگ اپنی قربانیوں میں مصروف ہیں، لہذا میں بھی چاہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو تیری بارگاہ میں قربان کر دوں۔ تو میری قربانی قبول کرنا۔ بس یہ کہا

اور اپنی انگشتِ شہادت کے ساتھ اپنی گردن کے درمیان ایک اشارہ کیا اور گر پڑا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو وہ مَرچکا تھا۔ حق تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

تو اہل اللہ کے حج ایسے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو، انسان نفس کے سامنے عاجز ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی پر رحم کرتے ہیں، کسی سے خوش ہو جاتے ہیں، کسی کا عمل قبول کر لیتے ہیں تو اس کو اپنے کسی دوست کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ اور پھر جب اس سے زیادہ خوش ہو جاتے ہیں تو اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ اس مردِ حق کا ہاتھ پکڑ کر ان کے مشائخ کے سلسلے میں داخل ہو کر فیضانِ خداوندی حاصل کرے۔

عزیزانِ من! سب جاندار چیزیں جب مرتی ہیں تو انہیں مُردار کہا جاتا ہے۔ اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ جلد از جلد اس سے نجات حاصل کی جائے۔ کوئی بھنگی کی تلاش میں ہے، کوئی مزدور کی تلاش میں ہے کہ اس مردار کو لے جائے اور دُور جا کے پھینکے تاکہ اس کی بدبو سے نجات ہو۔ لیکن ایک ایسا مُردہ ہے کہ جس کے مردار کو کوئی پھینکنا پسند نہیں کرتا۔ وہ نفس ہے۔ کیونکہ جب نفس مُردہ ہو جاتا ہے تو اس کا مردار جو ہے، اس کی خوشبو مشک اور کستوری سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہ انسان پارس ہو جاتا ہے۔ مگر یہ نفس اس وقت مرتا ہے جب اس پر کسی نفس کش کی نگاہ پڑتی ہے مولانا

رومی علیہ رحمت نے کیا خوب فرمایا کہ ہے

یہ میچ شے نہ کشد نفس را جز نعلِ پیر

دامنِ آن نفس کش را دست گیر

یعنی کوئی چیز نفس کو مار نہیں سکتی سوائے مُرشد کے تصرف کے، اسکے

سایہ کے۔ تو اس نفس کش کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے۔

پھر فرمایا ہے

اے انجی چوں اولیاء را یافتی

فی الحقیقت، ہم خدا را یافتی

یعنی: اے میرے بھائی، جب تو نے اولیاء کو پایا، تو سچی بات تو یہ ہے

کہ تو نے خدا کو پایا۔

تو عزیزانِ من! انسان کے سمجھ کی بات ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے

تو پھر وہ خود ہی لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ ہے

نہ بھٹکو در بدر یارو، نہ چھوڑو آستانِ پیر

نہ رکھو غیر سے امید، یک در گیر و محکم گیر

یعنی: بس ایک در پکڑ لے، مگر مضبوطی سے پکڑ۔

تو عزیزانِ من! اگر کسی میں صرف شریعت ہی ہے تو وہ بھی گمراہ

ہے، اور اگر کسی میں صرف طریقت ہے اور شریعت نہیں، تو وہ بھی گمراہ

ہے۔ کیوں کہ جب اسے شریعت کے احکام ہی نہیں معلوم، تو وہ اللہ کی

اطاعت کیا کرے گا۔ یہاں علم سے میری مراد یہ نہیں کہ ایک یا دو گدھے کتابوں سے لاد دیئے جائیں۔ یہاں مراد علم ظاہری سے ہے۔ یعنی فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ یہ سب جاننے چاہئیں۔
 نفس انسان کو ناچ نچاتا ہے، اور اس طرح کے طرح طرح کے روپ میں اس کے سامنے آتا ہے۔ اگر کسی پہ اس کا بس نہیں چلتا تو وہ اہل اللہ ہیں۔ وہ اس کو مجاہدہ اور ذکر و فکر کی تلوار سے لمحہ بہ لمحہ وار کر کے اس کو زخمی اور ادھوا کرتے ہیں۔

ایک درویش اپنے خدا کی یاد میں مشغول تھے۔ ان کے قریب سے مسلمانوں کی ایک جماعت گزری۔ آپ نے پوچھا، صاحبو، کہاں جاتے ہو؟ کہا ہم جہاد کے لئے جا رہے ہیں۔ اس درویش کے نفس نے کہا، میں بھی ان کے ساتھ جاؤں؟ آپ نے کہا، میں تمہیں خوب جانتا ہوں، تو مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ راستے کی محنت و مشقت میں تجھے کھانے کو بہت ملے گا، اور تو عبادت کرنے سے نپٹ جائے گا اور رات کو خوب آرام سے سویا کرے گا۔ نفس نے کہا، یہ نقصان کی بات نہیں۔ میں غازی بنوں گا۔ بزرگ بولے، تو دین کا دشمن ہے، تجھے غازی بننے سے کیا سروکار۔ سچ کہو، اس سے تیرا مطلب کیا ہے؟ نفس مجبور اور بے بس ہو گیا۔ جب دیکھا کہ یہاں کچھ بات بنتی نہیں تو خود سے کہا کہ سچ بات ہی کہہ ڈالو۔ چنانچہ کہنے لگا، میرا مطلب یہ ہے کہ میں شب و

روز فقر و فاقہ کی محنت اٹھاتا ہوں، عشق و محبت اور ذکر و فکر کی تلوار سے دم بدم، ہر گھڑی مارا جاتا ہوں۔ کفار کے مقابلہ میں ایک دفعہ شہید ہو کر میں ہمیشہ کے عذاب سے نجات تو پا جاؤں گا

اسی طرح ایک درویش نے دوسرے درویش کے پاس کچھ روپے روانہ کئے۔ دوسرے درویش نے کہلا بھیجا کہ جس چیز کو خدائے تعالیٰ ناپسند کرے، اس کو دوستوں کے پاس بھیجنے کے کیا معنی۔ ایسی شے جسے خدا تعالیٰ دوست نہ رکھتا ہو، تم نے ایسی شے میرے پاس کیوں بھیجی۔ یہ کیا دوستی ہے؟

عزیزانِ من! دنیا اور دولت تمام خطاؤں کی جڑ ہیں۔ دنیا ایک فاحشہ ہے اور اہل دنیا اس کے بے غیرت شوہر۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دنیاویوں مخاطب ہو کر کہنے لگی: اے رسول اللہ، اگر ایک پسر کو ماروں تو دوسرا پسر مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے، اور اگر ایک بھائی کو ماروں تو دوسرا بھائی مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ یا رسول اللہ، اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ میں نے ہزاروں شوہر مار ڈالے مگر ایک پر بھی میں نے ترس نہیں کھایا۔ مگر جو بھی مرد حق تھا، اس نے نہ مجھے چاہا، نہ میری طرف دیکھا۔ جو کوئی مجھے چاہتا ہے، میں نفرت سے اسے دیکھتی ہوں۔ جو مجھے نہیں چاہتا، میں اسے چاہتی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے: ”دنیا ناپاک ہے، اس

کے طالب کتے ہیں۔ البتہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کرم کرتا ہے اور کسی کو اپنے دوست کے پاس بھیجنا چاہتا ہے تو وہ یہ کمخواب کا لباس اور آرام کی زندگی اور سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کیسی عجیب باتیں کہی ہیں میں نے۔ مگر یہ قصے موجود ہیں۔ ان کو پڑھیں تو عبرت حاصل ہو۔ ایک بادشاہ کا وزیر تھا۔ جب وہ کسی درویش کے ہاں بیعت ہوا تو اس کے دل کی دنیا بدلتی شروع ہو گئی۔ اور ایک وقت آیا کہ اس نے بادشاہ کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ بادشاہ نے اسے بہت سمجھایا کہ تم ایسے لائق فائق ہو، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہیں آخر تکلیف کیا ہے؟ اس نے کہا، بہت تکلیف ہے۔ مجھے ایک درد ہوتا ہے۔ وہ میرے دل میں ہوتا ہے اور وہ مجھے کوئی کام کرنے نہیں دیتا۔ اب مجھے اتنا اللہ نے دیا ہوا ہے، میں آرام سے کھا سکتا ہوں، مجھے اب کسی ملازمت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے فارغ کر دیا۔ بادشاہ کو راز معلوم نہ تھا کہ یہ فقیری اختیار کر چکا ہے۔ بعد میں جب معلوم ہوا، تو ایک دن اسے بلایا، اور کہا، اے میرے وزیر، تو نے میری نوکری چھوڑی اور درویشی اختیار کی، تو کیا فرق پایا، یعنی کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس نے جواب دیا۔

مجھے پانچ چیزیں حاصل ہوئیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ جب تو بیٹھا رہتا تھا تو میں تیرے روبرو کھڑا رہتا تھا، اور تو نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ

تم بھی بیٹھ جاؤ۔ اور اب میں خدا کے روبرو چار کعتوں میں دست بستہ کھڑا ہوتا ہوں تو اس میں وہ مجھے دو مرتبہ بیٹھنے کو کہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب تو سو جاتا تھا تو میں تیری پاسبانی کرتا تھا۔ اب میں سوتا ہوں تو خدا تعالیٰ میری نگہبانی کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ تو کھانا کھاتا تھا اور مجھے نہیں کھلاتا تھا۔ اور اب خدا تعالیٰ مجھے کھلا رہا ہے اور خود نہیں کھاتا۔ وہ ہر وقت مجھے بے حساب رزق روزی دیتا ہے۔ چوتھا یہ کہ اگر تو مر جاتا کسی دجہ سے، تو لوگ مجھ سے حساب لیتے اور معاملات کی تحقیق کرتے۔ خدا تعالیٰ حتیٰ القیوم ہے، اس لئے مجھے اب کسی غیر کا خوف نہیں۔ پانچواں یہ کہ مجھے تمہارے عنیض و غضب اور عتاب کا ہمیشہ خوف رہتا تھا۔ اب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ان کی خطا اور قصور کو معاف کر دینے والا ہے۔“

عزیزانِ من! حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ظالمان دنیا کا مُنہ دیکھتا ہے اس کے دین کا تیسرا حصہ اس سے سلب ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنے مرشد سے نسبت صحیح رکھتا ہے، وہ جو بندہ (تلاش میں) ہوتا ہے اور اس کا دل تابندہ (یعنی روشن) ہوتا ہے۔ بات نسبت کی ہے، تعلق کی ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب مُرید کسی قابل ہونے لگتا ہے، تو وہ خدا بین ہونے کی بجائے خود بین ہو جاتا ہے۔ سورج کی طرف دیکھو، پورے جہان کو روشنی دیتا ہے اور اس کے اندر سے جو روشنی نکلتی ہے اسے دھوپ

کہتے ہیں۔ وہ جب اسے اپنے اندر سے جدا کر دیتا ہے تو وہ جزبہ جاتا ہے اور کل یعنی سورج کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ سورج دنیا والوں کو روشنی پہنچاتا ہے اور اس کی دھوپ طرح طرح کے فائدے پہنچاتی ہے۔ اتفاق سے اگر بادل کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا حائل ہو جائے تو اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ دھوپ کا وجود آنا فنا ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نسبت سورج سے ختم ہو گئی۔ جب تک سورج سے نسبت تھی تو دھوپ روشنی بھی دے رہی تھی اور فائدے بھی دے رہی تھی۔ اسی طرح مُرشد مثل سورج کے ہے اور مُرید مثل دھوپ کے ہے۔

جب مُرید سے لغزش ہوتی ہے، اور جب وہ اپنے مُرشد کو کمتر سمجھنے لگتا ہے اور اس کی آنکھ عیب بین ہو جاتی ہے، تو سمجھ لو کہ بادل حائل ہو جاتے ہیں۔ یہ گناہ کے بادل ہوتے ہیں، لغزش کے بادل ہوتے ہیں جو اسے کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ چونکہ جب سورج سے دوبارہ نسبت قائم ہو تو دھوپ آئے گی، لہذا وہ مارا مارا بھٹکتا ہے۔

عزیزانِ من! جس نے اپنے شیخ کے ساتھ نسبت جوڑ لی اور اس طرح جوڑی کہ جس طرح حق ہے، تو پھر شیخ بھی اگر مُرد کامل ہے وہ اس کو اس جگہ پہنچاتے گا جہاں اس کا حق ہے۔ اگر تم حق ادا کرتے ہو تو پھر یہ کیسے توقع کر سکتے ہو کہ تمہارا شیخ جو تم سے بہت بلند ہے، تمہارا حق ادا نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کا دامن ایک ایسی ہستی سے وابستہ ہے جس کے

خزانے لامتناہی ہیں۔ کوئی کمی نہیں اور جس کی عطا کا کوئی وقت مقرر نہیں
ہر وقت جاری و ساری ہے، بارش ہو رہی ہے۔

عزیزانِ من! آپ نے دیکھا ہے جب گرمی زیادہ ہوتی ہے اور بارش
ہوتی ہے، تو بادل کے جو ٹکڑے ہوتے ہیں وہ کتنے پیارے لگتے ہیں! اس
لئے کہ وہ بندے کے لئے رحمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مرشدِ کامل یا مریدِ کامل
جب بیٹھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نگاہ اس کی طرف کرتا ہے
اور اس کی رحمت کے بادل ہر وقت اس کے اوپر ہوتے ہیں، لہذا جو مریدین،
طالبین، حاضرین و سامعین ہوتے ہیں وہ سب اس بادل کے نیچے ہوتے
ہیں، اور فیضان حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو نیکیوں کی دولت سے مالا مال کرے اور
دنیا کے مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ وہ جہاں بھی ظلم و تشدد میں ہوں، ان
کو نجات دے۔ اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمائے۔
اور ان کے ناز پروردہ بندے جو ہیں، ان کے ناز اٹھانے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَلَامٌ
عَلَى الْمُرْسَلِينَ ط





5128